جلد ۷۸ نومبر ۱۹۹۴ء شمارہ ۔ ۴

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے
پتہ : ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ' کولمبس ' اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

ارشادات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

"اے امیرو اور بادشاہو ! اور دولت مندو !! آپ لوگوں میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو خدا سے ڈرتے اور اسکی تمام راہوں میں راستباز ہیں۔ اکثر ایسے ہیں کہ دنیا کے ملک اور دنیا کے املاک سے دل لگاتے ہیں اور پھر اسی میں عمر بسر کر لیتے ہیں اور موت کو یاد نہیں رکھتے۔ ہر ایک امیر جو نماز نہیں پڑھتا اور خدا سے لاپروا ہے اس کے تمام نوکروں چاکروں کا گناہ اسکی گردن پر ہے۔ ہر ایک امیر جو شراب پیتا ہے اسکی گردن پر ان لوگوں کا بھی گناہ ہے جو اسکے ماتحت ہو کر شراب پیتے ہیں۔ اسکی گردن پر ان لوگوں کا بھی گناہ ہے جو اسکے ماتحت ہو کر شراب میں شریک ہیں۔

اے عقلمندو ! یہ دنیا ہمیشہ کی جگہ نہیں تم سنبھل جاؤ۔ تم ہر ایک بے اعتدالی کو چھوڑ دو۔ ہر ایک نشہ کی چیز کو ترک کرو۔ انسان کو تباہ کرنیوالی صرف شراب ہی نہیں بلکہ افیون، گانجا، چرس، بھنگ تاڑی اور ہر ایک نشہ جو ہمیشہ کیلئے عادت کر لیا جاتا ہے وہ دماغ کو خراب کرتا اور آخر ہلاک کرتا ہے۔ سو تم اس سے بچو۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ تم کیوں ان چیزوں کو استعمال کرتے ہو جن کی شامت سے ہر ایک سال ہزارہا تمہارے جیسے نشہ کے عادی اس دنیا سے کوچ کرتے جاتے ہیں اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔ پرہیز گار انسان بن جاو تا تمہاری عمریں زیادہ ہوں اور تم خدا سے برکت پاؤ۔ حد سے زیادہ عیاشی میں بسر کرنا لعنتی زندگی ہے۔ حد سے زیادہ بد خلق اور بے مہر ہونا لعنتی زندگی ہے۔ حد سے زیادہ خدا یا اسکے بندوں کی ہمدردی سے لاپروا ہونا لعنتی زندگی ہے۔ ہر ایک امیر خدا کے حقوق اور انسانوں کے حقوق سے ایسا ہی پوچھا جائیگا جیسا کہ ایک فقیر بلکہ اس سے زیادہ۔

پس کیا بد قسمت وہ شخص ہے جو اس مختصر زندگی پر بھروسہ کر کے بکلی خدا سے منہ پھیر لیتا ہے اور خدا کے حرام کو ایسی بیباکی سے استعمال کرتا ہے کہ گویا وہ حرام اس کیلئے حلال ہے غصہ کی حالت میں دیوانوں کی طرح کسی کو گالی کسی کو زخمی اور کسی کو قتل کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے اور شہوات کے جوش میں بیحیائی کے طریقوں کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ سو وہ سچی خوشحالی کو نہیں پائیگا یہاں تک کہ مریگا۔

اے عزیزو تم تھوڑے دنوں کے لئے دنیا میں آتے ہو اور وہ بھی بہت کچھ گذر چکی سو اپنے مولیٰ کو ناراض مت کرو۔ ایک انسانی گورنمنٹ جو تم سے زبردست ہو اگر تم سے ناراض ہو تو وہ تمہیں تباہ کر سکتی ہے۔ پس تم سوچ لو کہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے کیونکر تم بچ سکتے ہو۔ اگر تم خدا کی آنکھوں کے آگے متقی ٹھہر جاؤ تو تمہیں کوئی بھی تباہ نہیں کر سکتا اور وہ خود تمہاری حفاظت کریگا اور دشمن جو تمہاری جان کے در پے ہے تم پر قابو نہیں پائیگا ورنہ تمہاری جان کا کوئی حافظ نہیں اور تم دشمنوں سے ڈر کر یا اور آفات میں مبتلا ہو کر بے قراری سے زندگی بسر کرو گے۔ اور تمہاری عمر کے آخری دن بڑے غم اور غصہ کے ساتھ گذرینگے۔ خدا ان لوگوں کی پناہ ہو جاتا ہے جو اسکے ساتھ ہو جاتے ہیں سو خدا کی طرف آ جاؤ اور ہر ایک مخالفت اسکی چھوڑ دو اور اسکے فرائض میں سستی نہ کرو اور اسکے بندوں پر زبان سے یا ہاتھ سے ظلم مت کرو اور آسمانی قہر اور غضب سے ڈرتے رہو کہ یہی راہ نجات کی ہے۔ (کشتی نوح، ص ص ۶۵، ۶۶)

قرآن مجید کی روشنی میں

دعا کی قبولیت اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات و بشر الصبرین O الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون O (بقرہ ۔ 156-155:2) ترجمہ : اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو۔ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

پھر فرمایا بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء وتنسون ما تشرکون۔ (انعام 6:41) ۔ ترجمہ : تم اسی کو پکارو گے سو جس کے لئے تم پکارو گے اگر چاہے تو اسے دور کر دے گا اور تم انہیں بھول جاؤ گے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔

پھر فرمایا قال ینوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم انی اعظک ان تکون من الجھلین O (ھود 11:46) ۔ ترجمہ : کہا اے نوح وہ تیرے اہل سے نہیں ہے کیوں کہ وہ بد عمل ہے سو مجھ سے ایسا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو ناواقفوں میں سے نہ ہو۔

پھر فرمایا وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین O (مومن 40:60)

ترجمہ : اور کہا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔ وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

سر سید احمد خاں صاحب نے ایک رسالہ لکھا الدعاء والاستجابۃ۔ اس میں انہوں نے استجابت دعا کے متعلق یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ دعا ایک عبادت ہے اور جب وہ دل سے اور خشوع اور خضوع سے کی جائے تو وہ عبادت قبول ہو جائے گی۔ لیکن یہ مراد نہیں کہ جو چیز مانگی جائے وہ بھی مل جائے گی۔ ملنا تو صرف مقدر سے ہے نہ کہ دعا سے۔ اگر مقدر ہو گی تو مل جائے گی اور اگر مقدر نہیں ہو گی تو نہیں ملے گی۔ بلکہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر مقدر میں ہے تو بغیر دعا کے بھی مل جائے گی اور اگر مقدر میں نہیں تو دعا سے بھی نہیں ملے گی۔ اس پر جب یہ کہا جائے کہ پھر کسی چیز کے حصول کے لئے دعا مانگنا تو عبث ہوا۔ تو اس کا جواب سر سید احمد یہ دیتے ہیں کہ اضطرار کے وقت استمداد کی خواہش رکھنا انسان کی فطرت کا خاصہ ہے سو انسان اپنی فطرتی خاصہ سے دعا کرتا ہے بلا اس خیال کے کہ وہ قبول ہو گی یا نہیں اور بمقتضائے اس کی فطرت کے اس کو کہا گیا ہے کہ خدا ہی سے مانگ جو مانگو۔

سر سید کے اس رسالہ کے خیالات کے رد میں حضرت مرزا صاحب نے رسالہ "برکات الدعا" تالیف کیا۔ اس وقت اس کا مفہوم آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر مقدر کا ایسا ہی لحاظ ہے جیسا کہ دعا کے معاملے میں سر سید کو ہے تو پھر آپ سوچیں بیماری میں آپ ڈاکٹر سے دوائی کیوں لیتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر شفا مقدر ہوئی تو ہو جائے گی نہ ہوئی تو نہ ہو گی۔ دوائی کا تردد کیوں کیا جائے؟ دنیا کی کوئی شے بھی مقدر سے خالی نہیں لیکن اس کے حصول کے لئے وہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ مقدر کا بہانہ بنا کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھا جاتا۔ سید صاحب دوائیوں کی تاثیر کے تو قائل ہیں اور وہاں مقدر کا سوال نہیں اٹھاتے لیکن اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کی توجہ اور عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں میں ذرہ بھر بھی اثر نہیں سمجھتے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ "سید صاحب دعاؤں کے حقیقی فلاسفی سے بے خبر ہیں"۔

دعا کی ماہیت یہ ہے کہ "ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ جل شانہ اس کام کو پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں اور اگر قحط کے لئے بددعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعامیں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔۔۔ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے۔۔۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الہٰی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الہٰی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللھم صل وسلم و بارک علیہ والہ بعدد ہمہ وغمہ وحزنہ لھذہ الامۃ وانزل علیہ انوار رحمتک الی الابد"۔

سرسید نے دعا کا جو فلسفہ بیان کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیت ادعونی استجب لکم میں تمام دعاؤں کو قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ انسان کا تجربہ ہے کہ تمام دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سرسید کی سخت غلط فہمی ہے۔ پوری آیت آپ شروع ہی میں سن چکے ہیں۔ ترجمہ پھر سن لیجئے "اور تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔ وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہو گے"۔ دیکھئے یہ دعا بطور امر کے بجالانے کے لئے فرمائی گئی ہے اور بحالت نافرمانی عذاب جہنم کی وعید اس کے ساتھ لگا دی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں معمولی دعائیں مراد نہیں بلکہ وہ عبادت مراد ہے جو انسان پر فرض کی گئی ہے کیوں کہ عام دعاؤں میں یہ وعید نہیں۔ اپنے طور کی دعا انسان مانگے یا نہ مانگے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت نہیں۔ پس اس آیت میں عام دعائیں مراد نہیں۔ عام دعاؤں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون سورہ انعام آیت 41 میں بیان فرمایا ہے جو آپ شروع میں سن چکے ہیں۔ ترجمہ پھر سنئے۔ "بلکہ تم اسی کو پکارو گے سو جس کے لئے تم پکارو گے اگر چاہے تو اسے دور کر دے گا" یعنی دعا کا قبول کرنا یا نہ قبول کرنا اسی کی مرضی پر منحصر ہے اور بعض جگہ تو اللہ تعالیٰ نے تکلیفوں پر صبر کرنے والوں کی تعریف کی ہے جو انا للہ پر ہی کفایت کرتے ہیں۔ آیت آپ شروع ہی میں سن چکے ہیں ترجمہ پھر سن لیجئے۔ "اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو۔ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔ حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ "بعض اوقات اولیاء اور انبیاء دعا کرنے کو سوء ادب سمجھتے ہیں اور صلحاء نے ایسی دعاؤں میں استفتاء قلب پر عمل کیا ہے یعنی اگر مصیبت

کے وقت دل نے دعا کرنے کا فتویٰ دیا تو دعا کی طرف متوجہ ہوتے اور اگر صبر کرنے کے لئے فتویٰ دیا تو پھر صبر کیا اور دعا سے منہ پھیر لیا۔ یہی نہیں بلکہ دعا کی قبولیت تو کجا بعض اوقات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دعا مانگنے پر زجر و توبیخ کی گئی۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے غیر صالح بیٹے کے لئے دعا مانگنے سے روک دیا گیا جیسا کہ سورہ ھود کی آیت نمبر 46 میں آیا ہے ترجمہ پھر سن لیجئے: "کہا اے نوح وہ تیرے اہل سے نہیں ہے کیوں کہ وہ بد عمل ہے سو مجھ سے ایسا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو ناواقفوں میں سے نہ ہو"۔

مزید حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ اگر ادعونی استجب لکم میں ہم تنزلاً مان بھی لیں کہ ادعو سے عام طور پر دعا ہی مراد ہے جو بجمیع شرائط ہو اور تمام شرائط کو جمع کر لینا انسان کے اختیار میں نہیں جب تک توفیق ازلی یاور نہ ہو۔ یاد رہے کہ دعا کرنے میں صرف تضرع کافی نہیں ہے بلکہ تقویٰ اور طہارت اور راست گوئی اور کامل یقین اور کامل محبت اور کامل توجہ اور یہ بھی کہ جو شخص اپنے لئے دعا کرتا ہے یا جس کے لئے دعا کی گئی ہے اس کو دنیا اور آخرت کے لئے اس بات کا حاصل ہونا خلاف مصلحت الہیٰ بھی نہ ہو۔ بسا اوقات دعا میں اور شرائط تو سب جمع ہو جاتی ہیں مگر جس چیز کو مانگا گیا ہے وہ عنداللہ سائل کے لئے خلاف مصلحت الہیٰ ہوتی ہے اور اس کے پورا کرنے میں خیر نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ ماں سے آگ کا ٹکڑا مانگے تو وہ ہرگز اسے نہیں دے گی۔

اس علمی بحث کے بعد حضرت مرزا صاحب نے وہ بات لکھی جو آپ ہی کا حصہ تھی اور کسی دوسرے عالم فاضل مولوی کے بس کی بات نہ تھی۔ آپ نے لکھا "میرے نزدیک بہتر ہے کہ سید صاحب اپنے آخری دن کو یاد کر کے چند ماہ اس عاجز کی صحبت میں رہیں اور چوں کہ میں مامور ہوں اور مبشر ہوں اس لئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ سید صاحب کے اطمینان کے لئے توجہ کروں گا اور امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کوئی ایسا نشان دکھلائے کہ سید صاحب کے مجوزہ قانون قدرت کو ایک دم میں خاک میں ملا دیوے"۔ آگے چل کر حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں "سو اگر سید صاحب میرے پاس آ نہیں سکتے تو ان دونوں باتوں میں ہی وعدہ قبول حق کر کے مجھے اجازت دیں کہ ان کی نسبت جناب الہیٰ میں توجہ کر کے جو کچھ ظاہر ہو وہ شائع کروں۔ اس سے عام لوگوں کو فائدہ ہو جائے گا۔ اگر سید صاحب کی رائے درحقیقت درست ہے تو میں اپنے مطلب میں کامیاب نہیں ہوں گا۔ ورنہ عقل مند لوگ سید صاحب کی خراب عقیدوں سے نجات پا کر پھر اپنے عظیم الشان خدا تعالیٰ کو پہچان لیں گے اور محبت سے اس کی طرف رجوع کریں گے"۔ آگے چل کر آخر میں حضرت مرزا صاحب نے اپنی فارسی کی وہ نظم لکھی جس کے آخر کے دو شعروں سے احمدی بخوبی واقف ہیں۔ پھر سن لیجئے۔

اے کہ گوئی گر دعا ہارا اثر بودے کجاست
سوئے من بشتاب بنمائم تراچوں آفتاب
ہاں مکن انکار ازیں اسرار قدرتہائے حق
قصہ کوتاہ کن ببیں ازما دعائی مستجاب

یہ دعائے مستجاب لیکھرام پشاوری کے متعلق تھی۔

اس وقت آپ کے سامنے اللہ کے مامور حضرت مسیح موعود کی ایک مستجاب دعا کا ذکر کیا جائے گا۔ یہ پیش گوئی لیکھرام پشاوری کے متعلق ہے۔ مختصر واقعات تو احمدیوں کو عام طور پر معلوم ہیں لیکن تفصیلات کا کبھی کبھی دہرانا بہت فائدوں کا موجب ہوتا ہے۔ یہ وہی پیشگوئی ہے حضرت مرزا صاحب نے برکات الدعا میں جس کا ذکر کیا اور سرسید کو اس کی اطلاع دی تاکہ دعا کے متعلق ان کے غلط عقیدہ کا رد ہو سکے۔ تفصیلات ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم کی مجدد اعظم سے لی گئی ہیں۔

لیکھرام پشاوری نے حضرت مرزا صاحب کی کتاب براہین احمدیہ کے مقابلہ میں ایک کتاب تکذیب براہین احمدیہ لکھی تھی جس میں دلیل تو کوئی نہیں تھی البتہ اسلام اور بانی اسلام کا مذاق اڑایا گیا تھا اور گالیاں دی گئی تھیں۔ اس کے بعد 1885ء میں لیکھرام حضرت مرزا صاحب کے مخالف مرزا امام الدین کی تحریک پر قادیان آیا اور آریوں کے پاس مقیم رہ کر حضرت مرزا صاحب سے مباحثہ کے لئے خط و کتابت کرتا رہا۔ معقول شرائط تو قبول نہ کیں اور جھوٹ بولتا رہا کہ مرزا صاحب میرے مقابلہ پر آنے سے جی چراتے ہیں۔ بات یہ تھی کہ حضرت مرزا صاحب دوسرے

مذاہب کے علماء سے بحث کے لئے یہ راستہ تجویز کرتے تھے کہ ہم اسلام کے متعلق جو دعویٰ کریں اسلام کی الہامی کتاب قرآن مجید سے کریں اور جو دلیل دیں وہ بھی اسی کتاب سے دیں۔ مخالفین بھی اپنے مذہب اور اپنی الہامی کتاب کے متعلق ایسا ہی التزام کریں۔ اب قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کر دیا اور اس کتاب کی حفاظت اپنے ذمے لے لی لیکن باقی مذاہب کی الہامی کتابوں کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ نہ ان کی تعلیم مکمل اور نہ ان کی حفاظت کا الٰہی بندوبست۔ بعض کتابیں سرے سے ہی ناپید ہیں اور جو ہیں ان میں تحریف ہو چکی ہے جسے اس زمانہ کے علماء مانتے ہیں۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ صرف قرآن مجید ہی آج ایک ایسی کتاب ہے جو اسی طرح سے محفوظ ہے جس طرح نبی کریم صلعم نے پڑھ کر سنائی اور لکھوائی۔ لیکھرام میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ ہر معاملے میں وید کو پیش کر سکے اس لئے وہ چالاکی سے حضرت مرزا صاحب کے اس مطالبہ کو تحریر ہی میں نہ لاتا تھا اور ہنسی اور ٹھٹھے سے بار بار نشان مانگتا تھا۔ آخر کار اس نے وہ خط لکھا تھا جس کا آخری فقرہ تھا "اچھا آسمانی نشان تو دکھا دیں۔ اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو رب العرش خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان تو مانگیں تا فیصلہ ہو۔" اس کا جواب جو حضرت مرزا صاحب نے دیا اس کا کچھ حصہ آپ کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں "آپ کی زبان بد زبانی سے رکتی نہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ اگر بحث کرنا نہیں چاہتے تو رب العرش خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان مانگیں۔ یہ کس قدر ہنسی ٹھٹھے کے کلمے ہیں گویا آپ اس خدا پر ایمان نہیں لاتے جو بیباکوں کو تنبیہہ کر سکتا ہے۔

باقی رہا یہ اشارہ کہ خدا عرش پر ہے اور مکر کرتا ہے یہ خود آپ کی ناسمجھی ہے۔ مکر لطیف اور مخفی تدبیر کو کہتے ہیں جس کا اطلاق خدا پر ناجائز نہیں۔ اور عرش کا کلمہ خدا تعالیٰ کی عظمت کے لئے آتا ہے کیوں کہ وہ سب اونچوں سے زیادہ اونچا اور جلال رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کسی انسان کی طرح کسی تخت کا محتاج ہے۔ خود قرآن میں ہے کہ ہر یک چیز کو اس نے تھاما ہوا ہے اور وہ قیوم ہے جس کو کسی چیز کا سہارا نہیں۔ پھر جب قرآن شریف یہ فرماتا ہے تو عرش پر اعتراض کرنا کس قدر ظلم ہے۔ آپ عربی سے بے بہرہ ہیں۔ آپ کو مکر کے معنے بھی معلوم نہیں۔ مکر کے مفہوم میں کوئی ایسا ناجائز امر نہیں ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ شریروں کو سزا دینے کے لئے خدا کے جو باریک اور مخفی کام ہیں ان کا نام مکر ہے۔ لغت دیکھو پھر اعتراض کرو"۔ اس خط و کتابت کے بعد ایک معاہدہ حضرت مرزا صاحب اور لیکھرام کے درمیان طے پایا جو لیکھرام نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اس کا خلاصہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے یوں تحریر کیا ہے۔ "اس طول طویل معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی پیشگوئی لیکھرام کو بتلائی جائے اور وہ سچی نہ ہو تو وہ ہندو مذہب کی سچائی کی دلیل ہو گی اور فریق پیشگوئی کرنے والے پر لازم ہو گا کہ آریہ مذہب کو اختیار کرے یا تین سو ساٹھ روپے لیکھرام کو دے دے۔ جو پہلے شرمپت ساکن قادیان کی دوکان پر جمع کرا دینا ہو گا۔ اور اگر پیشگوئی کرنے والا سچا نکلے تو اسلام کی سچائی کی یہ دلیل ہو گی اور پنڈت لیکھرام پر واجب ہو گا کہ مذہب اسلام قبول کرے"۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے نوٹ دیا ہے کہ اس میں اسلام قبول کرنے کی شرط اس وقت کی بات ہے جب ابھی یہ معلوم نہ تھا کہ جو پیشگوئی خدا کی طرف سے ہو گی اس کا مضمون کیا ہو گا۔

اس کے بعد 20 فروری 1886ء والے اشتہار میں حضرت مرزا صاحب نے لیکھرام سے دریافت کیا کہ اگر اس پیشگوئی میں کوئی ایسی بات ہو جس کے ظاہر کرنے سے اسے رنج پہنچے تو اسے ظاہر کیا جائے یا نہ۔ تو لیکھرام نے بڑی شوخی اور دلیری سے ایک کارڈ اپنے دستخط سے بھیجا جس میں درج تھا کہ "میں آپ کی پیشگوئیوں کو واہیات سمجھتا ہوں میرے حق میں جو چاہو شائع کرو۔ میری طرف سے اجازت ہے اور میں کچھ خوف نہیں کرتا"۔ اس کارڈ کے موصول ہونے کے بعد بھی حضرت مرزا صاحب نے بہت توقف کیا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر پیشگوئی کی میعاد نہیں کھلی تھی اور لیکھرام کا اصرار تھا کہ میعاد کی قید کے ساتھ پیشگوئی بتلائی جائے۔ آخر 20 فروری 1893ء کو بہت توجہ اور دعا اور تضرع کے بعد حضرت مرزا صاحب پر اس کا مضمون کھولا گیا اور اس کے ساتھ عربی کا الہام بھی ہوا عجل جسد لہ خوار لہ نصب و عذاب یعنی یہ گوسالہ بے جان ہے جس میں سے مہمل آواز آ رہی ہے۔ پس اس کے لئے دکھ کی مار اور عذاب ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اسی تاریخ کو ایک اشتہار کے ذریعے یہ پیشگوئی شائع فرما دی اس کی مندرجہ ذیل عبارت قابل توجہ ہے

: "اب میں اس پیشگوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں اور آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ تک آج کی تاریخ سے یعنی 20 فروری 1893 ء سے کوئی ایسا عذاب جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت ہو اور اپنے اندر ہیبت الہی رکھتا ہو نازل نہ ہو تو سمجھو کہ میں خدا تعالی کی طرف سے نہیں"۔ اس پیشگوئی کو حضرت مرزا صاحب نے دوبارہ "آئینہ کمالات اسلام" میں اس شان سے شائع کیا کہ پہلے آنحضرت صلعم کی شان میں ایک نعت لکھی جس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

عجب نوریست درجان محمد عجب لعلیت درکان محمد
الا دشمن نادان و بے راہ بترس از تیغ بران محمد
الا اے منکر از شان محمد ہم از نور نمایان محمد
کرامت گرچہ بے نام ونشان است بیابنگر زغلمان محمد

آخری اشعار کے بعد آپ نے ایک ہاتھ کی تصویر بنائی جو "لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک پیشگوئی" کے عنوان کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ پھر اس عنوان کے نیچے آپ نے اصل پیشگوئی کو درج کیا ہے۔ "بترس از تیغ بران محمد" کے مصرعہ میں لیکھرام کی سزا کے متعلق واضح اشارہ موجود ہے۔ اس کے بعد لیکھرام کی سزا کا نقشہ آپ کو ایک کشف کے ذریعہ بھی دکھایا گیا جسے آپ نے "برکات الدعا" کے ٹائٹل پیج کے آخری صفحہ پر "لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک اور خبر" کے عنوان سے شائع فرمایا۔ لکھتے ہیں "آج 2 اپریل 1893 ء مطابق 14 ماہ رمضان 1310 ھ ہے صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اس کے چہرہ سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے۔ گویا انسان نہیں ملائک شداد غلاظ میں سے ہے اور اس کی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اس کو دیکھتا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ، لیکھرام کہاں ہے، دغیرہ وغیرہ" معاملہ یہیں تک نہیں رہا حضرت مرزا صاحب نے لیکھرام کے متعلق تیسری پیشگوئی "کرامات الصادقین" کے صفحہ 54 اور صفحہ اخیر ٹائٹل پیج پر 24 اگست 1893 ء کو شائع فرمائی۔ یہ عربی میں ہے۔ ترجمہ سنئے: "اور مجھے خدا نے ایک نشان کی خوش خبری دے کر کہا کہ تو عید کا دن قریب پہچان لے گا (یعنی وہ خوشی کا دن جس میں وہ نشان ظاہر ہو گا۔ اور اس دن کی نشانی یہ بتائی کہ) اس دن سے اسلامی عید اقرب یعنی بہت ہی زیادہ نزدیک ہو گی۔ اور خدا نے مجھے وعدہ دیا کہ اس نے خدا اور رسول کے ایک دشمن اور مفسد کے بارے میں جو لیکھرام پشاوری ہے میری دعا سنی اور مجھے خبر دی کہ وہ ہلاک ہو گا۔ وہ شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا تھا اور پلید باتیں آپ کی شان میں بکتا تھا۔ پس میں نے اس پر بددعا کی۔ سو خدا نے میری دعا قبول کر کے مجھے خبر دی کہ وہ چھ برس کے عرصہ کے اندر مر جائے گا اور اس میں طالبان حق کے لئے ایک نشان ہو گا"۔

ان تینوں پیشگوئیوں سے بالکل واضح ہو گیا کہ چھ سال کے اندر اندر لیکھرام خنجر کے ذریعہ قتل ہو گا اور وہ دن عید کے دن کے ساتھ ہو گا۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے ایک الہام کے الفاظ یقضی امرہ فی ست یعنی چھ میں اس کا کام تمام کیا جائے گا کے متعلق لکھا ہے کہ یہ عجیب و غریب وسعت اپنے مفہوم کے اندر رکھتے ہیں۔ جہاں اس کے معنے یہ ہیں کہ چھ سال کے اندر مارا جائے گا وہاں یہ بھی اس میں اشارہ ہے کہ عدد چھ سے یہ واقعہ ایک خاص تعلق رکھے گا۔ سو ایسا ہی ہوا کہ لیکھرام چھ سال کے اندر مارا گیا اور چھ مارچ 1897 ء کو چھٹے گھنٹے میں قاتل کا خنجر اس پر چلا۔ وہ سنیچر کا دن تھا اور 2 تاریخ شوال تھی یعنی عیدالفطر کے ساتھ کا دن تھا۔ یاد رہے کہ سنیچر ہفتہ کو کہتے ہیں جو چھٹا دن ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہ دن آریوں کے لئے بھی ایک عید کے ساتھ کا دن تھا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ لیکھرام پہلا شخص تھا جس نے شدھی کو رواج دینا چاہا۔ ہندو دھرم کے مطابق ہندو پیدائشی ہوتا ہے۔ کسی غیر مذہب والا کوئی شخص ہندو دھرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ لیکھرام نے یہ جھوٹ گھڑا کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے زبردستی ہندوؤں کو مسلمان بنایا اس لئے اس وقت کے ہندوستانی مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنا لینا چاہئے۔ اس جھوٹ سے فائدہ اٹھا کر اس نے شدھی کی بنیاد ڈالی اور اس کا بڑے زور سے پرچار کیا۔ ایک مسلمان اس کے پاس شدھ ہونے کے لئے آ گیا۔

لیکھرام بہت خوش ہوا۔ اسے جگہ جگہ لئے پھرا کہ یہ پہلا شکار ہاتھ آیا ہے۔ چنانچہ 7 مارچ 1897ء اتوار کا دن اس مبارک تقریب کے لئے مقرر ہوا جو آریوں کے لئے عید ہوتی ہے۔ 6 مارچ 1897ء ہفتہ کے روز لیکھرام برہنہ بدن ہو کر سندھیا کر رہا تھا۔ فارغ ہو کر اس نے انگڑائی لی جس سے اس کا پیٹ آگے کو ابھر آیا۔ وہ شدھ ہونے والا مسلمان پاس ہی کمبل اوڑھے بیٹھا تھا۔ اس نے ایک پورا ہاتھ خنجر کا لیکھرام کی توند پر ایسا چلایا کہ انتڑیاں باہر آگئیں۔ لیکھرام کے منہ سے بیل کی طرح نہایت زور کی آواز نکلی جس کو سن کر اس کی بیوی اور والدہ اس کمرے میں آئیں لیکن قاتل جا چکا تھا۔ کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں غائب ہوگیا۔ اس وقت لیکھرام لاہور کے محلہ وچھووالی کی ایک گلی میں رہتا تھا جو ایک طرف سے بالکل بند تھی اور جدھر راستہ تھا ادھر کسی لالہ جی کی شادی تھی۔ کسی ہندو نے کسی مشتبہ شخص کو ادھر سے بھاگتے یا گزرتے نہیں دیکھا۔ قاتل کا کچھ پتہ نہیں لگا اور لگتا بھی کیسے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکھرام کی سزا پر مقرر کیا گیا تھا اسے کون ڈھونڈھ نکالتا۔ ہندوؤں نے بہت شور مچایا۔ اکثر اسلامی اداروں کی تلاشی کروائی اور بعض مسلمانوں کے اکابرین کی خانہ تلاشی بھی کروائی۔ قادیان میں خود حضرت مرزا صاحب کی تلاشی کروائی۔ مختلف شہروں میں کئی مسلمانوں کو شبہ میں گرفتار کروایا۔ لیکھرام کی ماں اور بیوی جو قاتل کو پہچانتی تھی وہاں شناخت کے لئے جاتیں لیکن ہر جگہ پکڑا ہوا مسلمان بے قصور ثابت ہوتا۔

حضرت مرزا صاحب کے گھر کو پولیس نے 8 اپریل 1889ء کو اچانک گھیر لیا۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جو انگریز تھا خود تلاشی لی حضرت مرزا صاحب نے اپنے کل کاغذات کپتان پولیس کے حوالہ کر دیئے اور ایک کونے میں جا کھڑے ہوتے۔ جب کسی کاغذ کی نسبت کپتان پولیس کچھ پوچھتا تو آپ آ کر بتا دیتے اور پھر اسی کونے میں جا کھڑے ہوتے۔ پولیس کپتان کو شبہ ہوا۔ اس کونے کی خاص طور پر تلاشی لی اور کھدوا کر دیکھا لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا۔ کپتان پولیس کو کاغذات میں ایک تار ملا جس میں کسی مرید نے پیش گوئی پوری ہونے پر آپ کو مبارکباد دی تھی۔ کپتان پولیس نے وہ تار علیحدہ کر لی تو حضرت مرزا صاحب نے انہیں کاغذات میں سے بہت سی اور ایسی مبارکباد کی تاریں نکال کر اسے دکھائیں اور فرمایا کہ ہمارے دوستوں کو خدا کی باتیں پوری ہونے پر بے حد خوشی ہے۔ قتل پر خوشی نہیں۔ بلکہ اگر میں قتل کے وقت لیکھرام کے پاس موجود ہوتا تو اسے بچانے کی ضرور کوشش کرتا کہ یہ میرا انسانی فرض ہے۔ بہرحال کپتان پولیس نے تفتیش کے بعد گورنمنٹ کو رپورٹ کر دی کہ سب الزامات بے بنیاد ہیں۔ اس تفتیش کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ وہ جو بعض مولویوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ یہ شخص مخفی طور پر آلات نجوم اپنے پاس رکھتا ہے جس کے ذریعے پیشگوئیاں کرتا ہے سب جھوٹ ثابت ہوا۔

لیکھرام کے قتل پر آریوں نے ناحق شور مچا رکھا تھا کہ یہ قتل حضرت مرزا صاحب کی سازش سے ہوا ہے۔ اس پر حضرت صاحب نے 15 مارچ 1897ء کو ایک اشتہار "لیکھرام کے متعلق آریوں کے خیالات" کے عنوان سے شائع کیا اور اس میں یہ تجویز پیش کی کہ "ایسا شخص میرے سامنے قسم کھاوے جس کے الفاظ یہ ہوں کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شخص سازش قتل میں شریک ہے یا اس کے حکم سے واقعہ قتل ہوا ہے۔ پس اگر یہ صحیح نہیں ہے تو اے قادر خدا ایک برس کے اندر مجھ پر وہ عذاب نازل کر جو ہیبت ناک عذاب ہو مگر کسی انسان کے ہاتھوں سے نہ ہو۔ اور نہ انسان کے منصوبوں کا اس میں کچھ دخل متصور ہو سکے۔ پس اگر یہ شخص ایک برس تک میری بددعا سے بچ گیا تو میں مجرم ہوں اور اس سزا کے لائق جو ایک قاتل کے لئے ہونی چاہئے"۔ اس اشتہار کے جواب میں ایک شخص گنگا بشن نامی مقابلے میں آیا لیکن نامعقول شرطیں لگا کر ٹال مٹول کر کے بھاگ گیا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے بھی ایک اشتہار کے ذریعے گنگا بشن کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا کہ "لیکھرام کی پیشگوئی پوری نہیں ہوتی۔ میں قسم کھانے کو تیار ہوں مگر عذاب فوری ہو ایک سال کی میعاد منظور نہیں"۔ حضرت مرزا صاحب نے اس کے جواب میں یکم مئی 1897ء کو اشتہار شائع فرمایا کہ "میں مامور ہوں اور خدا کے حکم سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ ایک سال کی میعاد خدا کے حکم سے ہے اور نیز آنحضرت صلعم کی یہی سنت ہے۔ گنگا بشن نہیں تو میرے پیش کردہ طریق فیصلہ کے مطابق تم ہی سامنے آ جاؤ"۔ لیکن پینترے بدل کر مولوی صاحب بھی فرار ہو گئے۔ لیکن ہنری مارٹن کلارک کے مقدمے میں پھر مولوی صاحب نے ڈپٹی کمشنر کے روبرو

یہ قصہ چھیڑا کہ حضرت مرزا صاحب سے پوچھا جائے کہ الہام سے بتا دیں کہ قاتل کون ہے۔ حضرت صاحب نے "کتاب البریہ" میں اس ضمن میں لکھا کہ لیکھرام نے نہایت شوخی سے موت کی پیشگوئی مانگی تھی۔ پھر جبکہ لیکھرام کو مارنا بطور عذاب کے تھا تو کیونکر خدا تعالیٰ قاتل کا نام بتا دے اور اپنے انتظام کو آپ خراب کرے۔ ہاں محمد حسین اگر ہندوؤں کا در حقیقت خیر خواہ ہے تو قاتل کا نام معلوم کرنے کے لئے ایک تدبیر کر سکتا ہے اور وہ یہ کہ لیکھرام کے قاتل کا ان لوگوں کے ذریعہ سے پتہ دریافت کرے جو اس کے گروہ میں ملہم کہلاتے اور مجھے کافر جانتے ہیں۔

16 مئی 1897 ۔کو حضرت مرزا صاحب نے ایک "رسالہ استفتاء" لکھا جس میں لیکھرام کی پیشگوئی کے کل حالات کو درج فرما کر اسے بڑے بڑے فہمیدہ اور معقول ہندوؤں، عیسائیوں اور مسلمانوں کو بذریعہ ڈاک بھیجا اور پوچھا کہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ نہیں۔ چنانچہ بہت سے فہمیدہ اور غیر متعصب مزاج لوگوں نے جن میں مسلمان، سکھ، عیسائی اور ہندو سبھی قسم کے لوگ شامل تھے اور جو آپ کے مریدوں میں سے نہ تھے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ پیش گوئی نہایت صفائی سے پوری ہوئی۔ ان مصدقین کی تعداد قریب چار ہزار کے تھی۔ اس میں سے 279 کے نام حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب "تریاق القلوب" صفحہ 24 تا 30 میں تحریر فرمائے۔ یہ سب کے سب شرفاء اور معززین کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

اب ایک لطیفہ سنئے۔ جب زخمی لیکھرام کو میو ہسپتال پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر پیری کو جو اس وقت کے بہترین سرجن تھے اطلاع دی گئی۔ لیکھرام اپریشن ٹیبل پر پڑا ہوا بڑی بیتابی سے ڈاکٹر کا منتظر تھا اور بار بار اپنی تقدیر کو کوستا تھا کہ "ہائے ڈاکٹر بھی نہیں بوڑدا" (یعنی ڈاکٹر بھی نہیں پہنچتا)۔ ان دنوں ہمارے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم میو ہسپتال میں ہاؤس سرجن تھے۔ ڈاکٹر پیری نے کئی دفعہ انہیں آواز دی کہ مرزا صاحب یہ کام اس طرح کرو یا اس طرح کرو۔ مرزا صاحب کی آواز جو لیکھرام کے کان میں پڑی تو ایک دفعہ ہی چونک کر اس نے چاروں طرف دیکھا کہ ہائے وہ مرزا قادیانی یہاں بھی پہنچ گیا۔ کاش کہ بدبخت نے وقت پر بات مان لی ہوتی۔

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے 20 فروری 1893 ۔والے عربی الہام عجل جسدلہ خوار ۔لہ نصب و عذاب پر تفصیلی بحث کی ہے۔ مختصر یہ کہ خوار کے معنی کی رو سے لیکھرام کے منہ سے حملہ کے وقت بیل کی سی آواز نکلی اور نصب کے معنی کی رو سے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا اور یہ الہام بڑی صفائی سے پورا ہوا۔

اسی طرح لیکھرام نے جو بطور استہزا خیر الماکرین سے آسمانی نشان مانگنے کا مطالبہ کیا تھا تو حضرت مرزا صاحب نے "رسالہ استفتاء" کے صفحہ 7 کے حاشیہ میں اس کے متعلق یہ لطیف نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ ماکر کا لفظ خدا تعالیٰ کے بارے میں اس صورت میں بولا جاتا ہے کہ جب وہ باریک اسباب سے مجرم کو ہلاک یا ذلیل کرتا ہے اور یہ کہ خدا کا نام قرآن شریف کے رو سے خیر الماکرین اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب وہ کسی مجرم مستوجب سزا کو باریک اسباب کے استعمال سے سزا میں گرفتار کرتا ہے۔ یعنی ایسے اسباب اس کی سزا کے اس کے لئے مہیا کرتا ہے کہ جن اسباب کو مجرم کسی اور ارادہ سے اپنے لئے مہیا کرتا ہے۔ تو آپ دیکھ لیجئے کس طرح لیکھرام کو خیر الماکرین کی طرف سے سزا ملی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- ومکروا و مکراللہ واللہ خیر الماکرین (آل عمران ۳ : ۵۴) ترجمہ:- اور کافروں نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے اچھا ہے۔

میں نے اس پیشگوئی کو بہت سی تفاصیل کے ساتھ آپ کے سامنے رکھا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب مرحوم نے جو مفصل روئیداد مجدد اعظم حصہ اول صفحہ 473 تا صفحہ 489 میں دی ہے اسے ضرور پڑھیں۔ اس پیشگوئی کی عظمت کا آپ کو بہتر احساس ہو جائے گا۔

چند جھلکیاں

سیرت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

اے، اے، سیال

فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون۔

ترجمہ :۔میں تو تم میں اس سے پہلے ایک عمر رہا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے"۔ (سورہ یونس ۱۰ : ۱۶)

میں نے اپنی تقریر کا عنوان سورہ یونس کی آیت ۱۶ کو بنایا ہے جس کا متن اور ترجمہ میں نے ابھی پڑھا ہے۔ یہ آیت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو بطور الہام بھی نازل ہوئی۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو شخص بھی لوگوں کی رشد و ہدایت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس کی زندگی کا ہر لحاظ سے مثالی ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یہ ایک معیار ہوتا ہے جس کی روشنی میں لوگ اس کی باتوں اور کردار کو جانچتے ہیں۔ دعویٰ سے پیشتر کی زندگی اس بات کی آئینہ دار ہوتی ہے کہ یہ شخص دین کا علم، اس پر عمل اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے کتنا بلند پایہ ذہن، عمل اور ایثار و جذبہ رکھتا ہے۔ ان سب باتوں کا اندازہ تب ہی ممکن ہوتا ہے کہ اس شخص کی زندگی کے تمام پہلو لوگوں کے سامنے ہوں اور یہ زندگی ایسی ہو کہ لوگ نہ صرف اس سے متاثر ہوں بلکہ اس کو اس زمانے میں منفرد حیثیت حاصل ہو اور اس زمانے کے اہل علم اور اہل بصیرت لوگ اس کے ساتھ آہستہ آہستہ شامل ہونا شروع ہو جایں اور اس کے مشن کو کامیاب بنایں۔

اس شخص میں ایسی مقناطیسی قوت ہوتی ہے جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اس کے چہرے سے ایسا نور برستا ہے جو لوگوں کو نور اور بصیرت عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید نے کامل مومن کے اس روحانی نور کو یوں بیان کیا ہے کہ سیماھم فی وجوھم من اثر السجود (الفتح ۲۹) یعنی ان کے چہروں سے خدا کی کامل فرمانبرداری کے نتیجہ میں ایک نور برستا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ جو چودھویں صدی کے مجدد تھے ان کی شخصیت بھی ایک کامل مومن کی تمام صفات کی حامل تھی۔ اس لئے انہوں نے دعویٰ سے قبل اپنی زندگی کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور چیلنج کیا کہ ان کی زندگی کے کسی پہلو پر کوئی انگلی رکھے۔ دعویٰ سے پیشتر کی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی ایسی تابناک، عشق قرآن سے لبریز اور اسلام کے جذبہ خدمت سے اس قدر سرشار دکھائی دیتی ہے کہ اپنے اور غیر سب نے بیک زبان اس کی تعریف اور توصیف کی ہے۔ اہل حدیث کے چوٹی کے عالم اور بانی سلسلہ احمدیہ کے قریبی دوست مولوی محمد حسین بٹالوی جو بعد میں اشد ترین مخالف ہو گئے۔ انہوں نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پہلی معرکہ الآراء تصنیف "براہین احمدیہ" پر جو تبصرہ کیا وہ ان کی علم لدنیہ اور دینی بصیرت کو شاندار خراج عقیدت پیش کرتا ہے :

"ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ و برہمو سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشاندہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی ولسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھایا ہو اور مخالفین اسلام و منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے اور اس تجربہ اور مشاہدہ کا اقوام کو غیر مزہ بھی چکھا دیا ہو۔"

(اشاعت السنہ، ۷ : ۶)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ میں اخلاق و کردار کے حسن و جمال کے ساتھ آپ کے چہرہ پر ایک روحانی چمک دمک اور انوار آسمانی نظر آتے تھے۔ جنہیں الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ فقط دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا

ہے۔ آپ کا دیدار کرنے والے بتاتے ہیں کہ آپ ایک نور کا پتلا تھے۔ مسجد میں تشریف لاتے تو ایسے لگتا جیسے نور کا جھمکا ہو۔ نیکی اور تقدس کی جو تصویر کھینچی جا سکتی ہے آپ اس کے مجسم تھے۔ آپ کو دیکھ کر مخالف بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا اور ان میں سے اکثر آپ کے دائرہ عقیدت میں شامل ہو جاتے۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ یہ غیر معمولی چمک کس چیز کی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ مرزا کے پاس نہ جاؤ وہ جادوگر ہے اور لوگوں پر ہپناٹزم کر دیتا ہے اس لئے کہ جو بھی ان کے پاس جاتا ان کا گرویدہ اور عقیدت مند ہو جاتا۔ حالانکہ ہپناٹزم میں تو آنکھوں کے ذریعہ اثر ڈالا جاتا ہے جبکہ حضرت مرزا صاحب کی آنکھیں تو ہمیشہ جھکی رہتی تھیں۔ قادیان کے باہر ایک جھاڑی والا یہ کہتا تھا کہ مہاراج مرزا تو کسی دیوتا کے روپ میں ہیں۔ بڑے بڑے سورما یہاں سے یہ کہتے ہوئے گذرے کہ آج تو مرزا کا فیصلہ کر کے ہی آئینگے مگر جب واپس گئے تو مرزا صاحب کی تعریف ہی کرتے ہوئے گئے۔

جوانی کے زمانہ میں حضور کے دعوئے مجددیت سے بہت پہلے آپ ڈلہوزی کے سفر پر تھے۔ راستے میں بہت تیز بارش شروع ہو گئی۔ آپ نے اپنے ساتھی کو قریبی گھر میں پناہ لینے کی اجازت کے لئے بھیجا۔ کچھ دیر گذری تو دیکھا تکرار ہو رہی ہے۔ آپ قریب گئے تو پتہ چلا کہ صاحب خانہ گھر کے اندر پناہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن جیسے ہی اس کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے فوراً کہا کہ آپ اندر آ جائیں۔ پھر صاحب خانہ کہنے لگا کہ میری ایک جوان بیٹی ہے اس لئے میں کسی کو اپنے گھر آنے نہیں دیتا۔ لیکن آپ کو دیکھ کر تسلی ہو گئی ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی شخصیت کا اثر ہر ملنے والے پر ہوتا۔ چند واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔

ایک صاحب میاں یوسف خانصاحب کے ساتھ مردان سے قادیان حضرت مولانا نور الدین صاحب سے علاج کے لئے آئے۔ یہ صاحب حضرت مرزا صاحب اور احمدیوں کے سخت مخالف تھے۔ اس لئے ان کی شرط کے مطابق انہیں قادیان میں ایسی جگہ ٹھہرایا گیا جہاں احمدیوں یا حضرت مرزا صاحب کا گذر نہ ہو۔ جب ان کا علاج مکمل ہو گیا تو یوسف صاحب نے ان سے کہا کہ آپ ہماری مسجد تو دیکھتے جائیں۔ ان کے کہنے کے مطابق انہیں ایسے وقت میں لے جایا گیا جب کسی کے وہاں ہونے کی توقع ہرگز نہ تھی۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ عین اسی وقت حضرت مرزا صاحب کسی کام کے سلسلہ میں مسجد کی کھڑکی سے مسجد میں داخل ہوئے۔ جیسے ہی ان صاحب کی نظر حضرت مرزا صاحب پر پڑی تو وہ بے ساختہ آگے بڑھے اور پھر وہیں حضرت کی بیعت کر لی۔

اسی طرح میاں فخر الدین ملتانی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت مرزا صاحب کے سخت مخالف تھے۔۔ کہا کرتے کہ اگر حضرت مرزا صاحب انہیں مل جائیں تو وہ نعوذ باللہ ان کے منہ پر لعنتیں کرینگے۔ میاں فخر الدین صاحب ایک دفعہ انہیں حضرت مرزا صاحب سے ملوانے لے گئے۔ یہ اور دوسرے لوگ مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب مجلس میں تشریف لے آتے۔ فخر الدین صاحب کے والد صاحب نے حضرت مرزا صاحب کو دیکھا تو احترام میں کھڑے ہو گئے اور پھر گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ یہ صاحب نہایت ہی تیز طرار تھے لیکن اس مجلس میں ایک بھی بات ان کے منہ سے نہ نکل سکی۔ وہ بالکل خاموش رہے۔

جیسا کہ میں شروع میں کہہ چکا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کے چہرہ پر روحانی انوار، تقدس اور پاکیزگی کے نشانات ایسے نمایاں تھے کہ دیکھ کر ایک دفعہ تو دل ضرور ان کی طرف کھنچ جاتا تھا اور روح اندر سے بول اٹھتی تھی کہ یہ کوئی بڑا ہی مقدس اور مقرب انسان ہے یہی وجہ تھی کہ جب آپ لاہور، جہلم اور لدھیانہ تشریف لے گئے تو ایک ہجوم آپ کی زیارت کے لئے آیا ہوتا۔ اور دیکھتے ہی سبحان اللہ کہہ اٹھتا۔ لوگ اس قدر متاثر ہوتے کہ بعد میں مولویوں کو طرح طرح کے جھوٹ اور بہتان ان پر باندھنے پڑتے اور کفر کے فتووں کو دہرانا پڑتا اور لوگوں کی عورتوں پر طلاقیں ڈالنا پڑتیں تاکہ لوگوں پر سے ان کی شخصیت کے سحر کو توڑا جا سکے۔ در حقیقت یہ ہپناٹزم نہ تھا بلکہ آسمانی نور تھا جو کہ مجددین اور اولیاء کے چہروں سے

برستا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی سیرت کا ہر پہلو روشن اور اثر انگیز تھا اس وقت میں صرف چند ایک پہلوؤں کا مختصر ذکر کرونگا۔

حیا

آپ حضور انتہائی باحیا تھے اور آپ کی آنکھیں ہمیشہ نیچی رہا کرتی تھیں۔ اور ان کو اس بات کا علم ہی نہ ہوتا تھا کہ کوئی ان کے پاس سے گذر گیا یا کوئی ان کے پاس بیٹھا ہے۔ بعض اوقات جب آپ کسی کے متعلق پوچھتے تو ان کو بتایا جاتا کہ وہ تو حضور کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔ آپ آنکھ اٹھا کر کم ہی بات کرتے تھے۔ گھر کی خواتین اور مہمان خواتین بلا دھڑک ان کی موجودگی میں آتی جاتی تھیں کیونکہ ان کو علم تھا کہ ان کو گذرنے والے کا علم ہی نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ مولانا محمد احسن صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب صبح کی سیر کے لئے حضرت کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن پتہ چلا کہ کیونکہ آپ کے گھر کے سامنے دو مرید پٹھان چچا بھتیجا رہتے تھے وہ آپس میں لڑ پڑے تھے۔ اس سے حضور دل برداشتہ ہوئے اور سیر موقوف کر دی کہ میں لوگوں کو کیا منہ دکھاؤنگا کہ میرے مرید آپس میں لڑتے ہیں۔ حضرت اپنے دوستوں اور مریدوں کے لئے اسقدر غیرت رکھتے تھے۔

اطمینان قلب

اطمینان قلب یا سکون قلب، یکسوئی، توجہ اور حلم ایسی خصوصیات ہیں جنہیں بڑے لوگ حاصل کرنے کیلئے بڑی کوشش اور دعایں کرتے ہیں اور اولیاء اللہ میں سکون قلب نقطہ الی اللہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ورنہ عام کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ذرا سا شور ہو تو توجہ میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ بڑے لوگ اور صوفی حضرات بڑے نازک طبع ہوتے ہیں۔ معمولی شور یا پرندے تک کی آواز سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ لیکن آپ حضور کا یہ عالم تھا کہ جب کسی تصنیف کے کام میں مشغول ہوتے تو اردگرد کے شور و غل کو محسوس بھی نہ کرتے اور اپنے کام میں مگن رہتے۔

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب جو آپ کے نہایت محترم مرید اور عزیز ساتھی تھے اور جن کی وفات پر حضرت نے بڑے دکھ کا اظہار کیا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مرزا صاحبؑ ایک نہایت اہم مضمون لکھ رہے تھے قریب ہی عورتیں اور بچے شور و غل مچا رہے تھے لیکن آپ اس طرح لکھنے میں مصروف تھے کہ گویا وہاں کچھ ہو ہی نہیں رہا اور ماحول نہایت پر سکون ہے۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے ایک دو دفعہ انہیں ڈانٹا تو آپ نے منع فرما دیا۔

اسی طرح جب حضور کے فرزند مرزا محمود احمد صاحب چار سال کے تھے۔ تو اپنے دوستوں کو لے کر حضور کے کمرہ میں گھس آتے۔ ان کے ہاتھ میں ماچس تھی۔ ان کے ہاتھ حضرت مرزا صاحب کے کچھ کاغذ لگ گئے تو انہوں نے ان کو آگ لگا دی۔ چند ہی لمحوں میں کاغذ جل گئے۔ کچھ دیر بعد جب حضور کو سیاق و سباق ملانے کے لئے اپنے اوراق کی ضرورت پڑی تو وہ نہ ملے۔ آپ نے ان اوراق کو ڈھونڈا۔ سب سے پوچھا مگر سب خاموش رہے۔ آخر میں ایک بچہ بول اٹھا کہ محمود احمد صاحب نے تو وہ کاغذ جلا دئے ہیں۔ سب لوگ حیران اور پریشان تھے کہ اب کیا ہو گا۔ مگر حضرت مرزا صاحب مسکرا دئے۔ اور فرمایا اچھا خدا چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔

اسی طرح ایک دفعہ غالباً حضرت مولانا نور الدین صاحب سے حضرت مرزا صاحب کا ایک ضروری مسودہ گم ہو گیا۔ مولانا بڑے پریشان ہوئے۔ بہت ڈھونڈا لیکن مسودہ نہ ملا۔ جب حضرت مرزا صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو الٹا مولانا صاحب سے معذرت کی کہ میرے مضمون کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ میرا تو یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ اس سے بہتر مضمون ہمیں عطا فرمائے گا۔

بیماری میں صبر اور حلم ہے۔ بیوی کے ساتھ محبت اور بردباری سے پیش آتے ہیں۔ بچوں کے ساتھ شفقت اور رحم دلی ہے۔ ملازموں کے ساتھ نرم گفتاری اور حسن سلوک ہے۔ مریدوں کے ساتھ پیار، شفقت اور انتہائی خیر خواہی کا برتاؤ ہے۔

درگذر کرنے میں بھی کمال ہے۔ خطائیں معاف کرنے میں انتہائی رحم دل ہیں۔ شدید مخالف نے بھی معافی مانگ لی تو فوراً معاف کر دیا۔ اپنوں اور غیروں سے چشم پوشی سے کام لیتے۔ لوگوں کا مفت علاج کرتے۔ آپ کے مریضوں میں دشمن اسلام آریہ، مخالف رشتہ دار، جاہل اور گنوار عورتیں بھی شامل تھیں۔ کئی دفعہ علاج معالجہ میں گھنٹوں صرف کر دیتے لیکن نہ تھکتے اور نہ اکتاتے بلکہ فرماتے کہ نیکی کے ایسے کاموں میں مومن کو سستی اور لاپرواہی نہیں برتنی چاہیئے۔

اسلامی مساوات پر پورا عمل اور اس کا مثالی نمونہ تھے۔ شہرت اور بڑائی سے نفرت تھی۔ میلے کچیلے کپڑوں والے غریب آدمی کو بھی اپنے پہلو میں بٹھا لیتے۔

ایک دفعہ آپ ٹہل رہے تھے گرمیوں کی دوپہر تھی۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب آپ کی چارپائی پر لیٹ گئے اور ان کی آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضرت مرزا صاحب چارپائی کے پاس فرش پر لیٹے ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا صاحب گھبرا کر اٹھ بیٹھے لیکن حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ نہیں آپ لیٹے رہیں میں تو آپ کی حفاظت کی خاطر لیٹ گیا تھا۔ بچے شور مچاتے تو انہیں منع کرتا رہا تاکہ آپ کی نیند میں خلل نہ آئے۔

ایسا ہی ایک واقعہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب لاہور سے قادیان پہنچے۔ حضرت صاحب کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے چارپائی خالی تھی۔ ڈاکٹر صاحب لیٹ گئے۔ تھکے ہوئے تھے لیٹتے ہی نیند آگئی۔ جب آنکھ کھلی تو حضرت صاحب نیچے فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔

ایک بوڑھی گنوار عورت حضرت مرزا صاحب کے گھر میں آئی۔ اس نے مٹی کے برتن میں گھڑے سے بغیر اجازت پانی پی لیا۔ گھر کی کسی خاتون نے دیکھ لیا۔ حکم دیا کہ اس برتن کو توڑ دو۔ حضرت نے فرمایا توڑنے کی کیا ضرورت ہے لاؤ اس میں مجھے پانی دو۔ میں پیوں گا۔

آپکی نصیحت میں غایت درجہ کا اثر تھا۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے ایک دوست سٹیشن ماسٹر تھے اور رشوت لیتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب نے انہیں تنہائی میں فقط اتنا فرمایا: بابو صاحب رشوت لینے والوں کی تو دنیا میں کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اتنا کہنا ہی ڈاکٹر صاحب کے دوست کو کھا گیا۔

مسکینوں اور مہمانوں کی ہر ضرورت کا بے حد خیال رکھتے۔ میر ناصر نواب صاحب ایک دفعہ کسی مہمان سے کسی قدر سختی سے پیش آئے۔ حضرت صاحب کو خبر ہوئی تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور بڑے درد بھرے لہجے میں فرمایا۔ میر صاحب مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے میر صاحب مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ آپ نے بار بار اس فقرہ کو دہرایا قریب تھا کہ آپ کے آنسو نکل آتے۔ پھر فرمایا میر صاحب یہ مہمان آپ کے پاس نہیں آتے میرے پاس آتے ہیں۔

ایک دفعہ رات گئے ایک مہمان آگیا۔ کوئی چارپائی خالی نہ تھی۔ سب سو رہے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ ذرا ٹھہریے میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ لیکن دیر تک واپس نہ آئے۔ مہمان سمجھا کہ شاید حضرت صاحب بھول گئے ہیں۔ ڈیوڑھی میں سے جھانکا تو دیکھا کہ ایک صاحب چارپائی بن رہے ہیں اور حضرت صاحب خود مٹی کا دیا لئے پاس کھڑے ہیں۔

آپ کی سخاوت بھی کمال درجہ کی تھی۔ دوسروں کی امداد بھی کرتے تھے اور پھر اپنی جبلی حیا کی وجہ سے خاموش بھی رہتے اور کسی طرح بھی اس کا اظہار نہ کرتے۔

ایک دفعہ آپ کو علم ہوا کہ آپ کے ایک مرید کی مالی حالت کافی کمزور ہے۔ آپ نے ایک تھیلی میں کچھ رقم ڈالی جو غالباً 25 روپے تھی۔ مرید کے گھر تشریف لے گئے۔ مرید بے حد خوش ہوا کہ حضرت صاحب خود چل کر اس کے گھر آئے ہیں۔ حضرت صاحب نے ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ مالی مشکلات کے بارے میں باتیں ہوئیں تو فرمایا کہ اگر تھوڑے پر شکر ادا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ تنگی دور کر دیتا ہے۔ واپس جاتے ہوئے تھیلی وہیں چھوڑ گئے۔ حضرت کے جانے کے بعد مرید نے دیکھا کہ تھیلی رہ گئی ہے

تو پیچھے بھاگا اور حضور کے پاس پہنچ کر کہا کہ آپ کی تھیلی رہ گئی ہے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کے لئے ہے۔

اسی طرح آپ کے مکان کے احاطے میں ایک مرید رہتے تھے۔ اس کی کسی ضرورت کا پتہ چلا۔ تو ان کی کھڑکی سے روپوں کی تھیلی اندر پھینک دی اور کسی کو بتا دیا کہ اگر پوچھیں تو بتا دینا کہ میں نے پھینکی ہے۔

اسی طرح حضور کو پتہ چلا کہ کسی مرید کا مکان قرض خواہوں کی وجہ سے قرق ہونے لگا ہے۔ اور قرض کی رقم =/50 روپے ہے۔ آپ نے اس مرید تک پہنچانے کے لئے /60 روپے حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کو دئے۔ حضرت مولانا نے عرض کی کہ حضور ان صاحب کا قرض تو =/50 روپے ہے اور آپ =/60 روپے بھجوا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ =/50 روپے تو قرض ادا کرنے کے لئے ہیں پھر اس کو مزید خرچ اور مکان کے لئے بھی تو کچھ رقم کی ضرورت ہوگی۔

حضور کے نہایت قریبی دوست اور مرید سید محی الدین صاحب کی نئی نئی شادی ہوئی۔ حضرت مرزا صاحب اکثر ان کا حال احوال پوچھتے رہتے۔ ایک دفعہ سید صاحب کہنے لگے کہ میری بیگم کہتی ہیں کہ ہمارا اپنا گھر ہونا چاہیئے اور پھر کہنے لگے کہ اس غرض کے لئے میں ایک امیر آدمی کے پاس جا رہا ہوں۔ امید ہے کہ مکان خریدنے کے لئے ان سے قرض مل جائے گا۔ حضور نے فرمایا۔ ضرور جائیں۔ جب سید صاحب واپس آتے تو حضور نے دریافت کیا کہ کیا گھر بنانے کے لئے رقم مل گئی۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہم نے آپ کے مکان کے واسطے کچھ رقم رکھی ہوئی ہے اور پھر آپ نے =/500 روپے ان کو مرحمت فرما دیئے۔

ایک دفعہ عبدالرحیم صاحب کے کھانے میں مکھی پڑ گئی۔ اس پر انہوں نے کھانا ترک کر دیا۔ خادمہ کھانے کے برتن واپس لے گئی۔ اتفاق سے اس وقت حضرت مرزا صاحب کھانا تناول فرما رہے تھے۔ خادمہ نے یہ بات ان کو بتائی۔ تو انہوں نے اپنا کھانا خادمہ کو دے کر یہ کہا کہ یہ لے جاؤ اور اپنے ہاتھ کا لقمہ بھی اس میں چھوڑ دیا۔

تبلیغ میں انتہائی نرمی کا مظاہرہ کرتے اور مخالفین سے حسن سلوک فرماتے۔ ہر کسی کی بات پورے انہماک سے سنتے۔ ایک دفعہ ایک مولوی لکھنو سے آیا اور کہنے لگا کہ میں مطالعہ اور تحقیق کے لئے آیا ہوں۔ اس کا لہجہ نہایت گستاخانہ تھا۔ آپ نے اپنے دعویٰ کے متعلق تقریر فرمائی۔ بجائے اس کے کہ وہ آپ کے دلائل غور سے سنتا تقریر کے درمیان میں ہی نہایت بدتمیزی سے بول پڑا کہ آپ کے حلق سے قاف تو نکلتا نہیں آپ کیسے مہدی ہو سکتے ہیں۔ مولوی مبارک احمد صاحب نے ٹوکا تو حضرت مرزا صاحب نے انہیں روک دیا اور صبر اور حلم کی تلقین فرمائی۔ وہاں صاحبزادہ عبداللطیف شہید بھی بیٹھے تھے۔ کسی دوسرے وقت جب صاحبزادہ صاحب مجلس میں موجود نہ تھے تو حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس وقت حضرت صاحبزادہ صاحب کو بہت غصہ آگیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں غصہ میں وہ اس مولوی کو مار ہی نہ دیں چنانچہ میں نے صاحبزادہ صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبائے رکھا۔

1891ء میں جب حضرت مرزا صاحب لاہور تشریف لائے تو ایک شخص آپ کے پاس آیا اور آتے ہی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ جب بہت دیر تک گالیاں بکنے کے بعد چپ ہوا تو آپ نے نہایت آرام سے اس سے کہا: بھائی کچھ اور کہنا ہے تو کہہ لو۔ ایک بہت پڑھا لکھا ہندو وہاں بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا کہ حضرت مسیحؑ کی نرم مزاجی اور صبر و تحمل کی حکایتیں تو ہم نے سنی تھیں۔ مگر آج آنکھوں نے دیکھ لیا ہے۔

بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام میں اخلاق و کردار کا اعلیٰ ترین نمونہ دیکھنے میں آتا تھا جو اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار تھا اس کا سرچشمہ زندہ خدا پر ایمان اور عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا جس نے ان کے ساتھیوں اور ارادتمندوں میں دین پر عمل پیرا ہونے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے غیر معمولی جوش اور قربانی کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ امام وقت کے کردار کے حسن و جمال کی تفصیلات کو بیان کرنا چاہیں تو ختم ہونے میں نہ آئیگا۔ اس مضمون کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ہی ایک شعر پر ختم کرتا ہوں

اگر خواہی نشان بے نشانے
بیا کن مجلسے باآں نگارے

یعنی اگر تو خدا کا نشان چاہتا ہے تو اس بزرگ کی مجلس میں بیٹھ۔

الفضل کا ایک اور تراشہ

امامت کی موجودگی میں کسی مجدد کی ضرورت نہیں

امام جماعت احمدیہ الرابع کے خطبہ کا خلاصہ جو ۲۷۔اگست ۱۹۹۳ء کو براہ راست ٹیلی کاسٹ کیا گیا

"۲۷۔ اگست ۔ سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی تائید اور عملی گواہی نے ثابت کر دیا ہے کہ امامت کی موجودگی میں تجدید کرنے والے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی تائیدی گواہی نے ہمیشہ کے لئے اس فتنہ کا سر کچل دیا ہے۔ امامت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا اس لئے امامت کی موجودگی میں قیامت تک کسی تجدید کی ضرورت نہیں۔

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ الثالث نے اسی نظریہ کو جماعت کے سامنے پیش فرمایا تھا کہ (امامت) احمدیہ کی موجودگی میں تجدید کرنے والے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور خدا تعالیٰ کی تائید اور عملی گواہی نے ثابت کر دیا ہے کہ اس معاملے میں حضرت امام جماعت احمدیہ الثالث (اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرماتا رہے) کی تشریح درست تھی۔ حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا کی تائیدی اور عملی گواہی نے ہمیشہ کے لئے اس فتنے کا سر کچل دیا۔ جن کے دلوں میں تقویٰ ہے وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں اور اس حقیقت کا انکار وہی کر سکتے ہیں جن کا دل تقویٰ سے عاری ہے۔

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا میں جماعت احمدیہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی جماعت کے افراد کی بھاری اکثریت کے متعلق گواہی یہ ہے اور خدا کی فعلی شہادتیں بتا رہی ہیں کہ خدا کی تائید ان کے ساتھ ہے۔

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بعد جس (امامت) کا ذکر ہے۔ وہ وعدہ قیامت تک کے لئے ہے اور غیر منقطع ہے۔ تو پھر کیا ضرورت ہے کہ کسی اور شخص کو تجدید کے لئے کھڑا کیا جائے۔ اسی طرح جب (امام جماعت) موجود ہو تو اس امامت سے الگ کسی تجدید کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ امامت الٰہی تائید یافتہ ہے اور اگر اس کے ہوتے ہوئے تجدید دین کا تصور رکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ (امامت میں) تقویٰ باقی نہیں رہا۔

حضور ایدہ اللہ نے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا کے کام خدا کے وعدوں کے خلاف نہیں ہوتے۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے فرمایا ہے کہ میں خدا کی مجسم قدرت ہوں۔ میرے بعد اور وجود بھی ہونگے جو خدا کی مجسم قدرت ہوں گے۔ حضرت بانی سلسلہ نے بتایا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قدرت ثانیہ کا آنا ضروری ہے کیونکہ وہ دائمی ہے اور اس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا۔

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ اگر خدا سچا ہے اور لازماً سچا ہے، اور اگر حضرت بانی سلسلہ سچے ہیں اور لازماً سچے ہیں تو وہ جھوٹے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اب (امامت) کا سلسلہ ختم ہو رہا ہے اور اب نئی صدی آنے کے بعد تجدید کرنے والے کا انتظار کیا جائے۔ حضور ایدہ اللہ نے فرمایا پندرھویں صدی ہجری شروع ہونے کے بعد اب تیرہ سال گذر گئے ہیں اور اس عرصہ میں امامت احمدیہ سے باہر کوئی تجدید کرنے والا ظاہر نہیں ہوا اس سے اس جھوٹے پراپیگنڈے کی قلعی کھل گئی ہے۔ ان کو اگر خدا سو سال کی بھی زندگی دے تو ان کو کہیں تجدید کا نیا سلسلہ نظر نہیں آئے گا۔

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت بانی سلسلہ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیجے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی اور اس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا۔ حضور ایدہ اللہ نے فرمایا خدا کی تائید ان کے ساتھ نہیں رہے گی جو امامت کے ساتھ نہیں رہیں گے۔

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا پس یہی میرا پیغام ہے تمام مجالس کے لئے اور ساری جماعتوں کے لئے جو قیامت تک دینی مقاصد کے لئے جمع ہوتی رہیں گی"۔ (روزنامہ الفضل، ۳۰ ستمبر ۱۹۹۳ء)

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کے خطبہ پر ایک نظر

بشارت احمد بقا صاحب

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب موجودہ سربراہ جماعت احمدیہ ربوہ نے ایک خطبہ جمعہ مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۹۳ء کو اپنے مرکز واقع لندن میں دیا تھا۔ جو بذریعہ مواصلاتی سیارے اور ریڈیو ٹیلی کاسٹ اور نشر کیا گیا۔ اس خطبہ کا خلاصہ اخبار الفضل نے اپنی اشاعت محریہ ۳۰ ستمبر ۱۹۹۳ء میں شائع کر دیا۔ میرے ایک مکرم محب نے اس اخبار کا تراشا فوٹو سٹیٹ کر کے ارسال فرمایا ہے۔

ادارہ الفضل نے خطبہ کا عنوان "امامت کی موجودگی میں کسی مجدد کی ضرورت نہیں" دیا ہے۔ خطیب صاحب نے اپنا سارا علم صرف اسی نکتہ پر صرف کیا ہے کہ جب امام یا خلیفہ موجود ہو تو کوئی مجدد نہیں آ سکتا۔ بلکہ تجدید کو ایک فتنہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ خطبہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ مرزا طاہر احمد صاحب نے عالم اسلام کو مخاطب نہیں کیا۔ کیونکہ عالم اسلام نے تو احمدیہ تحریک سے وابستہ تمام افراد کو غیر مسلم اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہوا ہے۔ جب اسلامی سواد اعظم بانی سلسلہ احمدیہ کو ہی سچا نہیں مانتا۔ تو وہ اسکے خلفاء کو کیوں در خور اعتنا سمجھ سکتا ہے۔ اس سے لازماً یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کا روئے سخن صرف احمدیہ سلسلہ کے لاہور گروہ کی طرف ہو سکتا ہے۔

جماعت احمدیہ لاہور کے افراد جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث لہذہ الامۃ علےٰ راس کل مائۃ من یجدد لہا دینہا پر کامل یقین اور پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ اور جس کے مطابق پندرھویں صدی ہجری میں جس کو چڑھے ہوئے چودہ قمری سال ہو چکے ہیں کسی عظیم الشان مصلح اور ہادی کی بعثت کے قائل ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ زمین و آسمان اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں مگر فرمودہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خطا نہیں جا سکتا۔ انکے سامنے صرف اپنی جماعت اور جماعت ربوہ کی اندرونی اور بیرونی حالت ہی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کی مجموعی طور پر اخلاقی، روحانی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی حالت بھی ہے۔ جملہ علماء اسلام اور مشائخ عظام قوم مسلم کو اسلامی تعلیم کے سانچے میں ڈھالنے میں سخت ناکام ہو گئے ہیں۔ بلکہ سارا عالم اسلام روز بروز رو بہ تنزل ہے۔ اور اسکے سدھرنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ اور اسکے اخلاق و کردار میں وہ تمام عیوب اور نقائص در آ چکے ہیں۔ جن کے باعث گذشتہ انبیاء علیھم السلام کی امتیں مورد عذاب الٰہی ٹھہریں۔ اور اسلامی ملکوں کو چھوڑیے۔ مملکت خداداد پاکستان کو ہی لے لیجیئے۔ یہ ملک اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ مگر کتنا بڑا المیہ ہے کہ آج اسکو عالم وجود میں آتے ہوتے قریباً ۴۷ برس ہو گئے ہیں مگر اب تک اس میں نظام اسلامی نافذ العمل نہیں ہو سکا۔ اور قوانین شریعت حقہ جڑیں نہیں پکڑ سکے۔ اور اس ملک میں وہ نفوس آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتے ہیں جو اپنے ابنائے وطن کی اس اخلاقی پستی کو دیکھ کر تڑپتے دلوں اور پر نم آنکھوں کے ساتھ رب العزت کے حضور میں دست بدعا رہتے ہیں کہ مولا کریم عالم اسلام پر نظر کرم فرما اور اسکی اصلاح کی کوئی سبیل پیدا فرما دے۔ عالم اسلام کی آبادی ایک ارب سے تجاوز کر چکی ہے۔ مرزا طاہر احمد صاحب چند لاکھ نفوس کا سربراہ بن کر اپنی خلافت کے بلند بانگ دعوے کر رہے ہیں اور اپنی خلافت کے سلسلہ کو دائمی قرار دے رہے ہیں۔ اور اپنے دعوے میں اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ وہ اصلاح اور رشد و ہدایت کا الٰہی منصوبہ جسکی بشارت اللہ تعالےٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور کی مسلسل دعاؤں کے نتیجہ میں حدیث مجدد کی صورت میں دی۔ اسکو ایک فتنہ قرار دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں مرزا طاہر احمد صاحب کے سامنے اپنے مرشد ربانی انکے دادا جان کی ایک تحریر پیش کرتا ہوں۔ حضور نے ایک خط دسمبر ۱۸۸۸ء میں بنام محمد

ولی اللہ صاحب تحریر فرمایا۔ یہ خط اخبار الحکم قادیان محریہ ۳۱ مئی ۱۹۰۱ء میں بھی افادہ عام کیلئے شائع کیا گیا۔ اس خط میں حضرت اقدس نے فرمایا

"ایک نبی کے بعد بروقت ضرورت دوسرا نبی آ جاتا تھا۔ پھر جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظہور فرما ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اس نبی کریمؐ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا تو بوجہ ختم نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہم و غم رہتا تھا۔ کہ مجھ سے پہلے دین کے قائم رکھنے کے لیئے ہزارہا نبیوں کی ضرورت ہوئی اور میرے بعد کوئی نبی نہیں جس سے روحانی طور پر تسلی ہو اور اس حالت میں فساد امت کا اندیشہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں بہت دعائیں کیں تب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی اور وعدہ فرمایا کہ ہر صدی کے سر پر دین کی تجدید کے لیئے ایک مجدد پیدا ہوتا رہیگا۔ جس کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ دین کی تجدید کریگا۔ جس حالت میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک صدی کے سر پر مجدد آنے کی خبر دی ہے تو آپ اس خبر کا انکار کر کے کس طرف بھاگ سکتے ہیں"۔

میں نے اس خط کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔ میں بھی آپ سے وہی سوال کرتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ نے جو خبر اور بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تجدید دین کے سلسلہ میں دی ہے۔ اس سے آپ کہاں بھاگ سکتے ہیں اور کس عذر لنگ کی پناہ لے سکتے ہیں۔ یا آپ قرآن و حدیث سے ثابت کریں کہ یہ حدیث مجدد صرف چودہ اسلامی صدیوں تک نافذ العمل تھی اب یہ منسوخ العمل ہو چکی ہے۔

اس خط کے حوالہ سے مرزا طاہر احمد صاحب پر ختم نبوت کی عقدہ کشائی بھی ہو جانی چاہیئے اور خاتم الانبیاء کا جو مفہوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا وہ بھی ان پر عیاں ہو جانا چاہیئے اور اجرائے نبوت کے سلسلہ میں جو آج تک خلیفہ ثانی اور انکے علماء کہتے رہتے ہیں وہ سب کچھ ہباء منثورہ ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ختم نبوت کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی پیش کی ہے۔ جو بدلی نہیں جا سکتی۔ اور صاف بتا دیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ بلکہ ختم نبوت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اصلاح امت کیلئے بعثت مجددین کا سلسلہ متبادل طور پر قائم فرما دیا ہے۔ خود حضرت مجدد صدی چہار دہم نے اس حدیث مجدد کو اپنی آخری کتاب حقیقۃ الوحی میں اپنے دعویٰ ماموریت کی صداقت کے ثبوت میں بطور نشان اول کے بیان فرمایا ہے۔

مرزا طاہر احمد صاحب کا یہ موقف کہ امامت کی موجودگی میں کوئی مجدد نہیں آ سکتا۔ اسکا بار ثبوت بھی ان کی گردن پر ہے۔ وہ قرآن شریف کی کوئی آیت پیش کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث۔ اگر پیش نہ کر سکیں تو اس باطل اور بے بنیاد نظریہ اور موقف سے دست بردار ہو جائیں۔

اب آیئے ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں۔ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ خلافت راشدہ کا دور تیس سال تک قائم رہ سکا۔ اور چاروں خلفاء آیت استخلاف کے تحت خلیفہ ہوئے۔ انکے بعد خلافت ملوکیت کا رنگ اختیار کر گئی۔ اور پہلے وہ خلافت بنی امیہ کے خاندان میں گھومتی رہی پھر خاندان بنی عباس میں منتقل ہو گئی۔ اور سقوط بغداد تک اس خاندان کے قبضہ میں رہی۔ زاں بعد خلافت ملوک سلطنت عثمانیہ کے ہاں چلی گئی۔ اور آخری خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید تھے۔ جنکی وسیع و عریض سلطنت جنگ عظیم اول کے نتیجہ میں تاخت و تاراج ہو گئی۔ اور خلافت اسلامیہ کا ایسا خاتمہ ہوا کہ ابھی تک بحال نہیں ہو سکی۔ چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں خلفاء کی موجودگی میں مجددین ہر صدی میں آتے رہے اور تجدید دین کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ کسی ایک مجدد نے بھی خلیفہ وقت کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کیا اور نہ کسی خلیفہ کی خلافت ظاہری کا انکار کیا۔ خدا تعالیٰ نے ملوکیت کو قائم رکھا۔ اور مجددین کو آیت استخلاف کا مصداق قرار دیدیا۔ اسی آیت کے تحت حضرت مجدد صدی چہار دہم نے اپنے آپکو خلیفۃ الرسول اور حکم قرار دیا۔ مگر وہ شخصی خلافت جو حضرت مولانا نور الدین علیہ الرحمۃ سے سلسلہ احمدیہ میں قائم ہوئی وہ آیت استخلاف کے تحت ہرگز نہ تھی۔ اور مرزا طاہر احمد صاحب بھی اس آیت کے مصداق

نہیں ہیں۔ اور اگر وہ ایسا دعویٰ کریں تو وہ مسترد کرنے کے لائق ہو گا۔

مرزا طاہر احمد صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد جو شخصی خلافت قائم ہوئی ہے وہ دائمی ہے۔ یعنی خلافت محمدی تو دائمی نہ تھی لیکن مسیح موعود کی خلافت دائمی ہے۔ اس لیئے تجدید دین کیلیئے اب کوئی شخص نہیں آ سکتا۔ بلکہ اس منصوبہ الٰہی کو فتنہ قرار دیا ہے۔

میرا ان سے سوال یہ ہے کہ جب یہ خلافت (امامت) کا سلسلہ دائمی ہے اور قیامت تک چلتا رہیگا۔ تو پھر جو انکے والد مرزا محمود احمد صاحب اور انکے علماء اب تک اجرائے نبوت پر اپنی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کرتے رہے ہیں اور دنیا کو بتاتے رہے ہیں کہ امت محمدیہ میں نبوت کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ وہ نبوت کہاں گئی؟ کیا وہ نبوت بھی آپکے خاندان کا ورثہ ہوگی۔ اور اگر کوئی نبی آ گیا تو اسکی وفات کے بعد خلافت تو اسکی چلے گی یا حضرت مسیح موعود کی۔ ربوی خلافت کے انتخاب کیلیئے جو طریق کار وضع کر دیا گیا ہے اسکی رو سے اب ممکن نہیں کہ خلافت مرزا محمود احمد صاحب کے گھر سے باہر قدم رکھ سکے۔ اور جب کوئی شخص خدا سے روح القدس پا کر کھڑا ہو گیا تو خلیفہ وقت اسے فی الفور قابل گردن زدنی قرار دیدیگا۔ کیونکہ روح القدس پا کر کھڑا ہونیوالا لازماً خدا کا مامور ہو گا۔ اسکی موجودگی میں اس کی مزعومہ دائمی خلافت کی عالی شان عمارت ایک جھٹکا سے زمین بوس ہو جائیگی۔

خلیفہ رابع کو یہ دعویٰ ہے کہ امامت میں تقویٰ بدستور موجود ہے۔ اور چونکہ موجود ہے۔ اسلیئے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور تجدید دین کی اسکے اندر صلاحیت موجود ہے۔ بدیں وجہ باہر سے کوئی شخص تجدید کے لیئے نہیں اٹھ سکتا۔ مرزا طاہر احمد صاحب نے تقویٰ کا دعویٰ کر کے اپنے ہاتھ سے شدید اعتراضات کا دروازہ کھولدیا ہے۔۔۔

ایک اہم واقعہ جس نے قادیان سے تقویٰ کا جنازہ ہی نکال دیا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ستر پرانے مریدین نے جو مرزا محمود احمد صاحب کے خلافت پر قابض ہونے کے بعد لاہور اپنا مرکز بنانے پر مجبور کر دیے گئے مندرجہ ذیل حلفی شہادت ۱۹۱۵ء میں شائع کی:

"ہم دستخط کنندگان ذیل کی حلفی شہادت ادا کرتے ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جب ۱۸۹۱ء میں یہ اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے اور حدیثوں میں جس مسیح ابن مریم کے امت محمدیہ میں آنے کا ذکر ہے وہ میں ہوں تو اس وقت آپ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہاں بعض علماء نے لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالا اور ان کو مدعی نبوت قرار دے کر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا جس کے بعد حضرت موصوف نے صاف طور پر کئی مرتبہ اعلان کیا جیسا کہ آپکی تحریروں سے ظاہر ہے کہ آپکی طرف نبوت کا دعویٰ منسوب کرنا محض افترا ہے اور آپ نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم سمجھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت کو کاذب اور کافر یقین کرتے ہیں اور آپکے بعض الہامات میں جو مرسل یا رسول یا نبی آیا ہے یا حدیث میں آنیوالے مسیح کی نسبت جو لفظ نبی آیا ہے تو اس سے مراد فی الحقیقت نبی نہیں بلکہ مجازی، جزوی، ظلی نبی ہے جسے محدث کہا جاتا ہے اور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا نہ نیا نہ پرانا۔

ہم یہ بھی حلفی شہادت ادا کرتے ہیں کہ ہم نے نومبر ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی اور مرزا محمود احمد صاحب سرگروہ احمدی فریق قادیان نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ ابتدا میں نبوت کا نہ تھا مگر نومبر ۱۹۰۱ء میں آپ نے اپنا دعوی تبدیل کیا اور نبوت کے مدعی بن گئے اور انکار نبوت کی دس گیارہ سال کی لگاتار تحریریں منسوخ ہیں یہ محض غلط اور سراسر خلاف واقعات ہے۔ ہم اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کبھی ہمارے وہم و گمان میں یہ بات نہیں آئی کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنے دعویٰ میں تبدیلی کی۔ سابقہ تحریریں جو انکار دعویٰ نبوت سے بھری پڑی ہیں منسوخ ہو گئیں نہ ہم نے اپنے علم میں کبھی ایسے لفظ کسی ایک شخص کے بھی منہ سے سنے جب تک کہ میاں محمود احمد صاحب نے ان کا اعلان نہیں کیا۔ واللہ علی مانقول شہید"۔

اس شہادت کو کئی مرتبہ بذریعہ رسائل اور اشتہارات شائع کیا گیا۔ اور جماعت قادیان سے بار بار مطالبہ کیا گیا کہ حکم الٰہی کے مطابق کہ شہادت کو

نہ چھپاؤ اور جو کوئی شہادت دینے سے گریز کریگا اس کا دل گناہ آلودہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے پرانے مرید جواب میاں محمود احمد صاحب سے بیعت یافتہ ہیں وہ بھی ہمارے مقابلہ میں حلفی شہادت حقہ ادا کریں۔ مگر اس مطالبہ کے جواب میں مسلسل خاموشی اختیار کی گئی۔ بلکہ میاں محمود احمد صاحب نے اپنے مریدین کو حلفی شہادت ادا کرنے سے منع کر دیا۔

حدیث مجدد کے سلسلہ میں مرزا طاہر احمد صاحب پر میں یہ نکتہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں۔ کہ حضرت مرزا صاحب کی سرو حی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے ماتحت ہے۔ اور وہ کسی حدیث نبوی پر قاضی نہیں ہو سکتی۔ میں اپنے اس موقف کی صداقت پر ایک واقعہ کا حوالہ دیتا ہوں۔ قادیان میں ایک دفعہ عید کا چاند دکھائی نہ دیا۔ حضرت اقدس کو الہام ہوا۔ "آج عید ہے چاہے کرو یا نہ کرو"۔ احباب نے حضور سے دریافت کیا کہ اگر آج عید ہے تو کیا ہم روزہ نہ رکھیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ از روئے حدیث روئت ہلال ضروری ہے۔ چنانچہ لوگوں نے روزہ رکھا۔ مگر دن کے دس بجے باہر سے خبر آ گئی کہ آج عید ہے۔ اس پر احمدی حضرات نے روزہ توڑ کر نماز عید ادا کی۔ اور اپنے امام ہمام کے الہام کی سچائی دیکھ کر ان کو انتہائی خوشی ہوئی۔ مگر حضرت مسیح ربانی نے اپنے الہام کو حدیث نبوی کے ماتحت رکھا اور روئت ہلال کی شرط کو لازمی قرار دیا۔ اگر مرزا طاہر احمد صاحب کا موقف میرے موقف کے برعکس ہے تو اسے دلائل ساطعہ کے ساتھ برحق ثابت کریں۔ مگر میں بڑے وثوق اور اعتماد سے کہتا ہوں کہ میرے بیان کردہ موقف کی ہرگز تردید نہیں کر سکتے۔ بنابریں اگر انہیں حضور کی کوئی تحریر احادیث نبوی کے بظاہر مخالف نظر آتی ہو تو ایسی تحریر کی تاویل کرنی پڑیگی یا مسترد کرنی پڑیگی۔

مرزا طاہر احمد صاحب نے اپنے خطبہ میں "رسالہ الوصیت" کا بھی ایک حوالہ دیا ہے جو نامکمل ہے۔ اور اس سے حضرت مسیح موعودؑ کی اصل منشا کا مکمل اظہار نہیں ہوتا۔ میں حضور کا ارشاد مکمل نقل کرتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں:

"میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں۔ اور میرے بعد بعض اور وجود ہونگے جو دوسری قدرت کا مظہر ہونگے۔ سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو۔ اور چاہیے کہ ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ایک ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں۔ تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھادے کہ تمہارا خدا ایسا قادر خدا ہے"۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے قدرت ثانی کا جو منصب اور مقام بیان فرمایا ہے وہ ہر قسم کے ابہام سے پاک ہے۔ اور صاف دکھائی دیتا ہے کہ قدرت ثانی کا ہر مظہر مامور من اللہ ہو گا۔ اور اس کا نزول روحانی طور پر آسمان سے ہو گا۔ میرے نزدیک ابھی تک یعنی گذشتہ چھیاسی برسوں میں قدرت ثانی کا ایک بھی مظہر نہیں آیا۔ اور جماعت ربوہ میں شخصی خلافت کا جو نظام رائج ہے۔ اس کا دارومدار کلیتہً انتخاب پر ہے جس کا طریق کار میاں محمود احمد صاحب نے وضع کر کے خلافت کو اپنی اولاد در اولاد میں مقید کر دیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صاف طور پر اپنے متبعین کو ہدایت کی کہ مظہر قدرت ثانی کے انتظار میں آپکے صالح مریدین ہر ایک ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں تاکہ وہ آسمان سے نازل ہو کر انہیں خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ دکھا دے۔ اگر مرزا طاہر احمد صاحب اپنی ذات کو ان پاک اور طیب نفوس میں شامل کرتے ہیں تو یہ انکی بہت بڑی خطا اور جسارت ہے۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے بعد قدرت ثانی کے ظہور سے مراد مامورین من اللہ کا ظہور ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات دریافت طلب ہے کہ ۱۹۰۵ء میں جب "الوصیت" لکھی اور شائع کی گئی دنیا کے کن کن ممالک میں صالحین کی جماعتیں قائم ہو گئی تھیں۔ میری تحقیق کے مطابق سوائے برصغیر پاک و ہند کے اور کسی ملک میں صالحین کی جماعت قائم نہیں ہوئی تھی۔ اور جو جماعتیں پاک و ہند میں قائم ہو چکی تھیں نہ انہوں نے اور نہ ہی قادیان میں قائم ہونیوالی مرکزی جماعت نے قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعائیں کرنے کا اہتمام کیا۔ کیونکہ ان کو علم تھا کہ "الوصیت" کی رو سے حضرت اقدس نے اپنا جانشین اپنے دست مبارک سے قائم کردہ انجمن کو مقرر فرما دیا تھا۔ اور جملہ فرائض و اختیارات جن کا تعلق اغراض و مقاصد سلسلہ احمدیہ اور بالخصوص اور مقدم اشاعت اسلام سے تھا اس انجمن کو تفویض فرما دیے۔ اور صاف لکھا کہ چونکہ یہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس لیئے اس انجمن کو دنیا

داری کے رنگوں سے بکلی پاک رہتا ہو گا۔ اور اسکے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔ قومی اموال جو چندہ کی صورت میں مرکز کو آتے تھے ان پر تمام وکمال تصرف بھی انجمن کو حاصل تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صرف لنگر خانہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ صدر انجمن کو اتنی مضبوط بنیادوں پر قائم کر کے عملاً بتا دیا کہ قدرت ثانی کا ظہور آپ کی وفات کے معاً بعد مقدر نہیں ہے۔ بلکہ صاف لکھا کہ جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔ جس سے جمہوری نظام کار کی صراحت ہوتی ہے نہ کہ شخصی خلافت کی۔ حضرت اقدس نے "الوصیت" میں صرف اپنے آپکو خدا کا مقرر کردہ خلیفہ لکھا۔ کسی اور شخص کیلئے نہ خلیفہ لکھا اور نہ امام۔ اسلیئے مرزا طاہر احمد صاحب نے جو امامت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کا "الوصیت" کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔

مرزا طاہر احمد صاحب فرماتے ہیں "کہ اگر خدا سچا ہے اور ضرور سچا ہے اور اگر بانی سلسلہ احمدیہ سچے ہیں اور ضرور سچے ہیں تو وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ اب (امامت) کا سلسلہ ختم ہو رہا ہے۔ اور اب نئی صدی آنے کے بعد تجدید کرنیوالے کا انتظار کیا جائے۔۔۔ پندرھویں صدی ہجری شروع ہونے کے بعد اب تیرہ سال گذر گئے ہیں اور اس عرصہ میں امامت احمدیہ سے باہر کوئی تجدید کرنیوالا ظاہر نہیں ہوا۔ اس سے اس جھوٹے پراپیگنڈے کی قلعی کھل گئی ہے۔ انہیں اگر خدا سو سال کی بھی زندگی دے تو ان کو کہیں تجدید کا نیا سلسلہ نظر نہیں آئیگا"۔ اس ارشاد کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ اگر خدا سچا ہے اور ضرور سچا ہے۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں۔ تو پھر حدیث مجدد کے تحت کوئی تجدید کرنیوالا پندرھویں صدی میں ضرور آئیگا۔

میں اوپر واضح کر چکا ہوں کہ قدرت ثانیہ سے مراد مامورین من اللہ ہیں جو خدا سے روح القدس پا کر کھڑے ہوتے رہینگے۔ اس سے مراد وہ لوگ نہیں جو پوپ کے انتخاب کی طرز پر منتخب ہو کر کرسئ خلافت پر براجمان ہوتے رہینگے۔ حدیث مجدد کے تحت تجدید کا سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا اور اسکی حیثیت ضرور دائمی ہے۔ اور یہی مراد حضرت مسیح موعود کی بھی ہے۔

اگر مرزا طاہر احمد صاحب کو میرے اس موقف سے اتفاق نہ ہو کہ "الوصیت" میں کسی شخصی خلافت کا ذکر نہیں تو میں انکی تسلی کے لیئے انکے والد مکرم مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا ایک ارشاد نقل کر دیتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا:

"مجلس معتمدین کے بنیادی اصول میں جو دراصل ہے ہی اسلام کا بنیادی مسئلہ، خلیفہ وقت کا وجود شامل نہ تھا۔ خلافت ثانیہ میں ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو خلیفہ کہے گا مجلس مانیگی۔ مگر یہ اصولی بات نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ممبروں کی جماعت کہتی ہے کہ میں ایسا کرونگی لیکن جو جماعت یہ کہہ سکتی ہے وہ یہ بھی تو کہہ سکتی ہے کہ میں ایسا نہیں کرونگی۔ کیونکہ جو انجمن یہ پاس کر سکتی ہے کہ ہم خلیفہ کی سربات مانیں گے وہی اگر آج سے دس سال بعد کہے کہ نہیں مانیں گے تو انجمن کے قانون کے لحاظ سے وہ ایسا کہہ سکتی ہے۔۔۔ اگر اتنی قربانی کے بعد بھی سلسلہ کی حالت غیر محفوظ ہو یعنی چند لوگوں کے رحم وکرم پر ہو جو اگر چاہیں کہ خلافت کا نظام قائم رہے تو قائم رہے اور اگر نہ چاہیں تو نہ رہے تو یہ کبھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ اور چونکہ مسئلہ خلافت کے جماعت کے بنیادی اصول میں شامل نہ ہونے سے جماعت خطرات میں رہ سکتی ہے۔ جو مبالعین کو غیر مبالعین میں بدل دے اور دس بارہ آدمیوں کی جنبش قلم سے قادیان معاً لاہور بن جائے۔ اس لئے جماعت کے وہ کام جو تبلیغ سے اور تربیت سے تعلق رکھتے تھے جو خواہ مبالعین کی انجمن ہو اور خواہ بہترین مخلص ہی اس کے ممبر کیوں نہ ہوں اس کے لیئے ضرورت تھی کہ ایک ایسا نکتہ قرار دیا جائے کہ جس پر جماعت قائم کر دی جائے تا اسے اس بارے میں ٹھوکر نہ لگ سکے (اخبار الفضل محریہ ۳ نومبر ۱۹۲۵ء)۔

یہ اقتباس کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ اس کا ایک ایک لفظ میرے موقف کی تائید کرتا ہے۔ مجلس معتمدین کتنا خود مختار ادارہ تھا اسے بھی خلیفہ ثانی نے واشگاف الفاظ میں تسلیم کیا۔ قواعد انجمن میں جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خود وضع کردہ تھے اور ضمیمہ الوصیت میں چھپ گئے تھے خلیفہ وقت کا اشارۃً بھی ذکر نہ تھا۔ اب مرزا طاہر احمد صاحب خود سوچ لیں کہ انکی خلافت یا امامت کو حضرت اقدس کی الوصیت سے کیا نسبت ہے۔

یاد رفتگان

حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی

فاضل ہندی، سنسکرت و عبرانی

پیدائش بمقام ضلع ہوشیار پور (ہندوستان) یکم مئی 1888ء میٹرک اور ٹیکنیکل ڈپلوما کرنے کے بعد پی ڈبلیو ڈی امرتسر اور پھر ریلوے لوکو شاپ، لاہور میں ملازمت کی۔ 1907ء میں بانی تحریک احمدیت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت سے پہلے دعا کی تو خواب دیکھا کہ آسمان پر ستاروں کا ایک جھرمٹ ہے۔ جھرمٹ کے اس طرف ایک راستہ ہے جس پر وہ چل رہے ہیں لیکن یہ راستہ بڑا ٹیڑھا اور دشوار گزار ہے۔ لیکن وہ راستہ جو ستاروں کی دوسری طرف ہے بڑا سیدھا اور کشادہ ہے۔ اس خواب کی بنا پر حضرت مولانا نے اپنی زندگی کی راہ گذر بدل لی اور اپنی تمام تر توجہ علمی اور دینی مشاغل کیلئے وقف کر دی۔ ملازمت چھوڑ کر کچھ عرصہ تک اخبار "زمیندار" اور "وطن" سے منسلک رہے۔ 1913ء میں ہفت روزہ "پیغام صلح" سے منسلک ہو گئے۔ ایک مناظرہ کے سلسلہ میں اکبر شاہ نجیب آبادی کے ہمراہ ان کے آبائی وطن نجیب آباد گئے۔ اس دوران حضرت مولانا کو یہ احساس ہوا کہ آریوں اور ہندوؤں کے ساتھ کامیاب مناظرہ کرنے کیلئے سنسکرت زبان کا جاننا ضروری ہے۔ چنانچہ مرکزی انجمن، لاہور کی طرف سے آپ کو نومبر 1915ء میں اس کام پر مامور کیا گیا۔ ابتدائی چھ ماہ تک آپ نے سنسکرت آریہ سماجی پنڈت راج نرائن سے سیکھی اور پھر مختلف استادوں سے تقریباً ڈیڑھ سال کے عرصہ میں زبان سے پوری طرح واقفیت حاصل کر لی۔ حضرت مولانا نے دن رات کی محنت شاقہ سے سنسکرت پر اتنا عبور حاصل کر لیا کہ ہندو پاک کے پنڈت اور سنسکرت زبان کے عالم ان سے بحث مباحثہ کرنے سے نہ صرف کتراتے بلکہ ان کی علمیت کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ چنانچہ لاہور کے آریہ سماج کے صدر دیوی دتہ صاحب جب کبھی کسی تقریب میں حضرت مولانا کا تعارف کرواتے تو مولانا عبدالحق ودیارتھی ایم اے کہہ کر کرواتے حالانکہ مولانا تو محض میٹرک تھے یہ دوسرے لفظوں میں ان کی علمیت کا اعتراف تھا۔

حضرت مولانا نے بیشمار مناظروں میں شرکت کی اور پنڈتوں کو ٹھوس دلائل اور خود ان کے ویدوں اور پرانوں سے اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور فوقیت کو نہایت کامیابی سے نہ صرف ثابت کیا بلکہ رسول اکرم صلعم کی آمد کی پیشگوئیوں کی بھی نشاندہی کی۔ مناظروں کے اس خالصتاً علمی طرز نے آریہ سماجی اور ہندو حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔ چنانچہ حضرت مولانا کے کامیاب مناظروں سے متاثر ہو کر جمعیت العلماء دہلی نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے درخواست کی کہ وہ حضرت مولانا کی خدمات دو سال کیلئے جمعیت کے سپرد کر دیں تاکہ مولانا ان کے طلباء کو سنسکرت اور مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ میں ان کی رہنمائی کر سکیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مترجم قرآن مجید انگریزی وصدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے جواب میں لکھا کہ افسوس ہے کہ ہمارے پاس بھی ایک ہی عبدالحق ہے۔ اسلیئے ہم انہیں آپ کے سپرد کرنے سے قاصر ہیں۔

1920ء میں آپ کچھ عرصہ کیلئے ہفت روزہ "پیغام صلح" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ جنوری 1925ء میں حضرت مولانا نے ویدوں کے ترجمے کا کام شروع کیا۔ 4 مئی 1928ء میں آپ کو اشاعت اسلام کالج، لاہور میں پروفیسر مقرر کیا گیا۔

حضرت مولانا نے ہندو پاک کے طول و عرض میں بہت سے مناظرے لڑے جنکی وجہ سے آریہ سماج کا اسلام اور بانی اسلام کے خلاف طوفان رک گیا۔ ان میں سے ایک مناظرہ جس کا شہرہ ہندوستان بھر میں ہوا

سکندر آباد، ضلع بلند شہر کے مقام پر منعقد ہوا۔ یہ اس قابل ہے کہ اسکا مختصر تذکرہ کیا جائے۔ ہندوؤں کی طرف سے رام چندر دہلوی اور مراری لال شرما نے شرکت کی۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب، حضرت مولانا عصمت اللہ صاحب اور غازی محمود دھرم پال نے کی۔ یہ مناظرہ چار دن تک جاری رہا۔ حضرت مولانا کے ٹھوس دلائل اور ویدوں کے اصل حوالوں نے پنڈتوں کو عاجز کر دیا۔ اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ایسے کامیاب مناظروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ہندو پنڈت یا عالم کسی ایسے مناظرہ میں شرکت نہ کرتا جہاں اس کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کی نمائندگی حضرت مولانا عبدالحق صاحب کر رہے ہیں۔

کئی ایک مناظروں میں حضرت مولانا کے ساتھ مجلس احرار کے امیر شریعت اور تحریک احمدیت کے شدید ترین مخالف مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری شرکت کرتے رہے۔ چنانچہ جموں میں اسی قسم کے ایک مناظرہ میں شرکت کے بعد واپس آتے ہوئے مولانا عطا اللہ شاہ بخاری نے حضرت مولانا کو کہا "آپ ایک بات کو جس انداز سے بیان کر جاتے ہیں اگر وہی بات میں بیان کروں تو ہاتھوں کو ہتھکڑی لگ جائے۔۔۔ میں آپ کی عزت اپنے باپ سے بھی بڑھ کر کرتا ہوں"۔

آریہ سماجیوں کی اسلام دشمنی کے ہتھکنڈوں کا حضرت مولانا نہایت دندان شکن جواب دیتے رہے۔ چنانچہ آریہ سماجیوں نے مولانا کی ایک کتاب "ویدوں کی سرگزشت" کے سلسلہ میں انہیں ایک مقدمہ میں ملوث کر دیا۔ اور انہیں ایک دن حوالات میں رہنا پڑا۔ یہ مقدمہ ہندو پاک شہرت کا حامل ہوا اسلیئے مختصراً اسکی تفصیل دی جاتی ہے۔

حضرت مولانا نے ایک کتاب "ویدوں کی سرگذشت" کے نام سے لکھی جو پہلے بالاقساط "پیغام صلح" میں شائع ہوتی رہی۔ ہندوؤں نے اس کتاب کی اشاعت پر بڑا واویلا کیا۔ انگریز حکومت نے اس کو مذہبی منافرت کا باعث ٹھہراتے ہوئے حضرت مولانا کے خلاف اس کتاب کی ضبطی کا مقدمہ کھڑا کر دیا اور مولانا کو حوالات میں ڈال دیا گیا۔ حضرت مولانا کی گرفتاری عین ہفتہ کے دن عمل میں لائی گئی تاکہ اگلے دن اتوار کی وجہ سے ضمانت نہ ہو سکے اور اسطرح حضرت مولانا ایک دن حوالات میں رہے۔ آخر سوموار کو پنجاب اسمبلی کے مشہور سپیکر سر چوہدری شہاب الدین نے حضرت مولانا کی ضمانت دی۔ سر شادی لال اسوقت پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے ان کی ایما پر متعلقہ جج نے مقدمہ کو لٹکانہ شروع کیا۔ جب انتقال مقدمہ کی کوشش کی گئی تو کامیابی نہ ہوئی۔ حکومت کی طرف سے یہ موقف لیا گیا کہ ویدوں میں سے جو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں مفہوم کا تصرف کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سنسکرت کے ایک جید عالم کو بلایا گیا جسے حضرت مولانا نے چیلنج کیا کہ جو مفہوم انہوں نے ویدوں سے لیا ہے اس کو غلط ثابت کرے۔ لیکن جید عالم اپنے تمام تر علم اور تعصب کے باوجود مولانا کے چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ آخر کار علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، چوہدری ظفر اللہ خان اور سر چوہدری شہاب الدین پر مشتمل ایک وفد گورنر سے ملا۔ اور اسطرح یہ مقدمہ ختم ہوا۔

حضرت مولانا کی زندگی کا دوسرا اہم واقعہ ایک مسلمان لڑکی اصغری بیگم کا آریہ سماجی مذہب اختیار کر کے شانتی دیوی بن جانا تھا۔ اور پھر حضرت مولانا کی کوششوں سے اسکا دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہونا ہے۔ اس تمام واقعہ کی تفصیلات ہندوستان بھر کے اخبارات میں شائع ہوتی رہیں مختصراً واقعات یہ ہیں۔ اصغری بیگم کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوئی جو اسکو دن رات زدوکوب کرتا تھا۔ اصغری بیگم نے تنگ آ کر کئی ایک علماء سے طلاق لینے کے متعلق استفسار کیا۔ لیکن سب نے یہی کہا کہ جب تک خاوند طلاق نہ دے طلاق نہیں ہو سکتی۔ تنگ آ کر اصغری بیگم ایک آریہ سماجی کے ذریعے گھر سے فرار ہو گئی اور پنڈت شردھانند کے ہاتھ پر آریہ سماجی بن گئی۔ اسکی شادی لاہور کے ایک آریہ سماجی لڑکے سے کر دی گئی۔ اصغری بیگم جو اب شانتی دیوی بن چکی تھی اس نے اسلام کے خلاف لیکچر دینے شروع کر دیئے۔ اسی شانتی دیوی یعنی (اصغری بیگم) کے ایک رشتہ دار عبدالرشید نے اشتعال میں آ کر شردانند کو قتل کر دیا۔ چنانچہ ہندوؤں کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں شانتی دیوی کو بھی اسطرح ہلاک نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ حفاظت کے پیش نظر دونوں میاں بیوی کو سرحد وار بھیج دیا گیا۔

اس کے بعد گوالیار کے سیٹھ برلا نے -/6000 روپے کا نذرانہ پیش کیا اور میاں کو -/300 روپے ماہوار کی نوکری دیدی۔ آریہ سماج نے وعدہ کیا کہ اگر مسلمانوں کی ایسی عورتیں شدھی کی جائیں اور آریہ دھرم اختیار کریں۔ ہر ایک خاتون کو دیگر سہولتوں کے علاوہ -/6000 روپے کا نقد عطیہ بھی دیا جائے گا۔

اصغری بیگم کا شانتی دیوی ہونا مسلمانان ہند کیلئے ایک بڑا چیلنج تھا چنانچہ حضرت مولانا نے "ویدک دھرم اور اسلام میں عورت کی حیثیت" کے موضوع پر "پیغام صلح" میں چھ اقساط لکھیں۔ شیخ عبدالحق صاحب مناظر اسلام یہ اقساط شانتی دیوی کو بھجواتے رہے۔ چھ اقساط پڑھنے کے بعد شانتی دیوی نے شیخ عبدالحق صاحب کو دہلی میں لکھا کہ وہ تین سال بعد اس موضوع پر آپ سے گفتگو کرنے دہلی آئینگی۔ حضرت مولانا اور دیگر احباب نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ معاملہ کو ٹال رہی ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ تین سال بعد شانتی دیوی اپنے خاوند کے ہمراہ دہلی آئیں اور گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ شیخ عبدالواحد صاحب نے جو چاندنی چوک کے تھانہ کے انچارج تھے گفتگو کی جگہ پولیس سٹیشن کو ہی رکھا۔ چنانچہ کئی گھنٹوں تک شانتی دیوی کی شیخ عبدالحق صاحب اور شیخ عبدالواحد صاحب سے گفتگو ہوتی رہی۔ شانتی دیوی نے اسلام اور بانی اسلام کے متعلق تقریباً 40 اعتراضات کئے۔ دونوں حضرات کے جوابات سے شانتی دیوی مطمئن نہ ہوئی۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیار تھی اس گفتگو میں ایک سامع کی حیثیت سے شامل رہے۔ دوسرے روز حضرت مولانا شانتی دیوی کے گھر پر گئے اور انہیں یقین دلایا کہ وہ ان کے تمام سوالات کے تسلی بخش جواب دے سکیں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا ہر روز شانتی دیوی کے گھر جاتے اور ان کے اعتراضات کے معقول علمی اور مدلل جواب دیتے رہے۔ ان جوابات سے شانتی دیوی کے شکوک رفع ہوتے گئے بالآخر کئی روز کی گفتگو کے بعد نہ صرف شانتی دیوی دوبارہ مشرف بہ اسلام ہوئیں بلکہ ان کے خاوند نے بھی اسلام قبول کر لیا اور سلیم کا نام اختیار کیا۔

دسمبر 1936 میں حضرت مولانا کی یکتا اور منفرد کتاب "میثاق النبین" منصۂ شہود پر آئی جس نے تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ قرآن کریم کے اس دعویٰ کا کہ ہر نبی نے رسول اکرم صلعم کی آمد کی پیشگوئی کی کا منقولی اور تحقیقی ثبوت مہیا کیا۔ کتاب کی جلد اول جو پونے تین صد صفحات پر مشتمل تھی اس میں زر تشتی، پارسی، ہندو مت، بدھ مت، عہدنامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کی کتب مقدسہ میں سے نبی موعود صلعم کی آمد کی پیشگوئیوں کے متعلق اصل عبارتیں نقل کیں۔ اور جدید علمی تحقیقات کی روشنی میں عقلی اور نقلی دلائل سے ان تمام نشانیوں کو رسول اکرم صلعم کی ذات میں پورا ہونا ثابت کیا جنکا ذکر قدیم نوشتوں میں درج تھا۔ اسی کتاب کا انگریزی ترجمہ "محمدؐ ان ورلڈ سکرپچرز" کے نام سے اکتوبر ۴۰ء میں شائع ہوا۔ جس نے دنیا کے مسلم اور غیر مسلم علمی حلقوں سے داد تحسین وصول کی۔ ہندو پاک کے چوٹی کے مصنفین، جج صاحبان اور اخبارات نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے زمانہ حال کا "حیرت انگیز انکشاف" قرار دیا۔ اسکا فارسی ترجمہ ایران کے مشہور رسالہ "دین و دانش" میں شائع ہوا۔ اور بغداد کے مشہور عربی اخبار الھلال میں اسپر تفصیلی تبصرہ شائع ہوا۔

۱۹۵۰ء میں "میثاق النبین" کا دوسرا حصہ شائع ہوا یہ حصہ تین صد بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس میں بدھ مذہب کی کتب مقدسہ سے نوید آنحضرت صلعم کے متعلق اصل حوالاجات اور بلند پایہ علمی تحقیقات درج کی گئی۔

۱۹۵۳ء میں حضرت مولانا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، سرینام کی خاص دعوت پر سرینام (جنوبی امریکہ) تشریف لے گئے اور وہاں چھ ماہ قیام کیا اور دو سو سے زائد لیکچر دیئے۔ ان لیکچروں کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے ان کے لیکچروں کو ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کر لیا اور اب تک ان سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ آپ تھوڑے عرصہ کیلئے گیانا اور ٹرینیڈاڈ بھی تشریف لے گئے تھے۔

ٹرینیڈاڈ میں صرف پندرہ روز کے قیام کے دوران آپ نے سترہ لیکچر دیئے۔ اس سفر کے دوران آپ نے میثاق النبین حصہ دوئم جس میں بدھ مت کی کتب مقدسہ سے آمد رسول اکرم صلعم کی پیشگوئیاں درج تھیں ان کا کافی اختصار سے انگریزی میں ترجمے کے کام کو مکمل کیا۔ حضرت مولانا ابھی سرینام میں ہی تھے کہ یہ کتاب "محمدؐ ان ورلڈ سکرپچرز" حصہ دوئم کے نام سے دسمبر ۵۵ء میں پاکستان سے شائع ہوئی۔

اس عرصہ میں حضرت مولانا کا دیگر کتب مقدسہ کا مطالعہ اور معلومات پہلے کی نسبت کہیں زیادہ ہو چکی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے "محمدؐ ان ورلڈ سکرپچرز" کو نظر ثانی کی اور اس میں نئی تحقیقات کی روشنی میں کئی ایک نئے موضوعات کا اضافہ کیا۔ مثلاً خدا کے نام اللہ کا اسلام اور تمام ادیان عالم میں منفرد اور یکتا حیثیت کا حامل ہونا، بابلیوں کی کتب مقدسہ جو بابلی تہذیب کی بربادی کے کئی ہزار سال بعد "The Book of Dead" کے نام سے مرتب ہو کر شائع ہوئی اسمیں آمد رسول اکرم صلعم کے متعلق ساٹھ (۶۰) نشانیاں وغیرہ کو شامل کیا۔ نیا توسیع شدہ اڈیشن اول ایڈیشن کے تین سو صفحات کے مقابل میں پندرہ سو صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی جو ۴۴۰ صفحات پر مشتمل تھی۔ دوسری جلد ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی جس نے صفحات کی تعداد کو تقریباً ایک ہزار تک پہنچا دیا۔

تحقیقات کے اس نئے سلسلہ کو مکمل کرنے کی غرض سے حضرت مولانا نے ۵۶ء اور ۶۰ء میں دو لمبے سفر اختیار کئے۔ ۵۶ء میں تھوڑے عرصہ کیلئے ٹرینیڈاڈ، سرینام اور گیانا میں قیام کیا۔ پھر آپ نے چار سال تک سان فرانسسکو میں قیام کیا جہاں آپ نے تمام بڑی بڑی لائبریریوں کو چھان مارا۔ "محمدؐ ان ورلڈ سکرپچرز" کے موجودہ تین حصوں کا کافی سے زیادہ حصہ وہیں مکمل کیا۔ ۶۰ء میں دوبارہ چند حوالاجات تلاش کرنے کی غرض سے حضرت مولانا کو ایک لمبا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس دفعہ آپ نے جزائر فجی، سان فرانسسکو فلاڈلفیا، برہما، سیلون اور مدراس کی لائبریریوں سے حوالاجات اکٹھے کئے۔

اس ضخیم کتاب کے علاوہ حضرت مولانا کی چند اور چھوٹی کتب کا ذکر کرنا ناگزیر ہے جو اپنے مضامین کے اعتبار سے ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کے نام سے مذاہب عالم پر ایک نہایت ہی ناپاک کتاب شائع کی جس میں تمام مذاہب کے انبیاء اور بزرگوں کی تذلیل کی گئی یہاںتک کے خدا پر بھی ٹھٹھہ کیا گیا۔ اس کتاب کے چودھویں باب میں قرآن مجید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی ازواج مطہرات اور دیگر انبیاء علیھم السلام پر گندے اعتراضات کئے گئے۔ چنانچہ حضرت مولانا نے اس چودھویں باب کے ایک سو انسٹھ (۱۵۹) اعتراضات کے مدلل اور مسکت جواب بمعہ اصل حوالہ جات دئے جو "آئینہ حق نما" اول کے نام سے اگست ۴۵ء میں شائع ہوئے۔ یہ کتاب چار سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ "آئینہ حق نما" حصہ دوئم (مطالعہ ویدک دھرم)، ویدوں کا بہشت (آریہ سماج کے اعتراضات کا جواب)، مسئلہ بہشت طبع شدہ ۱۹۲۶ء (فیصلہ کن مناظرہ مابین مولانا عبدالحق ودیارتھی اور پنڈت رام چندر صاحب دہلوی)، اردو ترجمہ یجروید (آریہ سماج کے نزدیک یہ تمام ویدوں میں سب سے مستند ہے)، سام وید کا اردو ترجمہ بھی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے رسالہ "بصیرت" میں قسط وار شائع ہوتا رہا لیکن ترجمہ کتابی شکل میں شائع نہ ہو سکا۔ "ارتقائے نسل انسانی" پادری سلطان محمد صاحب کی کتاب "ھبوط نسل انسانی" کے جواب میں لکھی گئی اور چیلنج کیا گیا کہ پادری صاحب اسکا جواب دیں۔ لیکن پادری صاحب نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "اس کتاب کے مخاطب خواجہ کمال الدین صاحب تھے عبدالحق صاحب کو جواب نہ دیا جائے گا"۔

حضرت مولانا چوتھی بار پھر ۹ مئی ۷۰ء کو انگلستان عازم سفر ہوئے اس سفر کا مقصد "محمدؐ ان ورلڈ سکرپچرز" کی تیسری جلد کیلئے مواد اکٹھا کرنا تھا اس جلد میں حضرت مولانا کا ارادہ تھا کہ حضرت رسول اکرم صلعم کی آمد کے متعلق پیشگوئیوں کو اس لحاظ سے ترتیب دیا جائے کہ سب سے پہلے اس پیشگوئی کو درج کیا جائے جو آمد کے متعلق ابتدائی نشانیوں کی نشاندہی کرتی ہو اور پھر ترتیب وار ان پیشگویوں کو لایا جائے جن میں ان ابتدائی نشانیوں کے علاوہ مزید نشانیوں کا ذکر ہو۔ یہ جلد 1975ء میں شائع ہوئی جو 500 صفحات پر مشتمل تھی۔ اس قدر مطالعہ، تصنیف و تالیف کے کام اور بیرونی ممالک کے سفروں نے بالآخر حضرت مولانا کے صحت کو کمزور کر ڈالا اور آپ بیمار رہنے لگے۔ اس دوران میں بھی گاہے بہ گاہے آپ "پیغام صلح" میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھتے رہے لیکن بیماری بڑھتی گئی اور آخر کار یہ عالم بے بدل 18 فروری 1977 کو اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی یاد میں "پیغام صلح" کا خاص نمبر 22 فروری۔ یکم مارچ 1978 کو شائع ہوا۔ (ن۔ ا)